خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

JUNE 2004

ہمارے نام، نادرہ خاتون ۲۹۵
کرن کرن روشنی، ادارہ ۱۷

ناول

تھوڑا سا آسماں، عمیرہ احمد ۳۳۶
کوئی لمحہ گلاب ہو، نگہت عبداللہ ۲۷۴
دل آباد، رفعت سراج ۳۶

ناولٹ

مہرو، رخسانہ نگار ۴۰
زندگی تھک گئی، فائزہ افتخار ۲۲
تیرے کوچے میں، ماہا ملک ۵۶

افسانے

ایٹمی محبت، سعدیہ رئیس ۱
تارِ عنکبوت، شاہدہ چوہدری

نظمیں، غزلیں

نظم، اعتبار ساجد ۱۱
غزل، انور شعور ۱۱

آپ سے کیا پردہ

فقیر بن کر، انشا جی ۲۲

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور ۲۳

مجھ سے ملیے

باتیں مانی سے، شاہین رشید ۲۵

انٹرویو

مدیحہ گوہر کا گھر، شہلا نرگس ۲۹
تیرے جانے کے بعد بھی، امت الصبور ۳۰۹

مکمل ناول

میرے ممشدہ، فاخرہ جبیں ۶۰
ایک روشن ستارہ، اسما قادری ۱۶۰

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
500 روپے

فاخرہ جبیں

مدھم گشتہ

اور چڑیا کا تیسرا بچہ بھی مرگیا۔

دھپ کی موہوم سی آواز کے ساتھ چڑیا کا بے بال و پر بچہ آنگن کی جلتی بلتی زمین پہ گرا اور ایک دو جھٹکوں میں ہی اس کا بوٹی سا وجود ساکت ہو گیا۔ باورچی خانے سے باہر نکلتے کاکا جان کی نگاہ اس پر پڑی تو چائے سے بھری پیالی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ اندھا دھند اس طرف کو بھاگے۔

چڑیا کے بچے کی چونچ ہولے سے تھرتھرائی تھی۔ کاکا جان نے اپنے ہاتھ کی سخت پوروں میں اس دم توڑتے وجود کو نرمی سے تھاما اور حوض کی طرف لپکے مگر چڑیا کا وہ گلابی سا بچہ پانی کی ایک بوند حلق سے نیچے اتارے بغیر ہی مرگیا۔ کاکا جان کی ہتھیلی پہ پڑے اس مردہ بچے نے ان کے جسم کی ساری توانائیاں نچوڑ لی تھیں۔ اس کی بند آنکھوں میں اترتی سیاہی مائل نیلاہٹ اور ننھی چونچ سے جھانکتی سرخی کاکا جان کا دل نوچ کر لے گئی تھی۔ ان کا ہاتھ ایک دم مفلوج ہو کر ان کے پہلو میں گر گیا تھا۔ چڑیا کا بچہ حوض کے کنارے گرا اور کاکا جان پھوٹ پھوٹ کر کسی ننھے بچے کی طرح رو دیے تھے۔

"چڑیا کا تیسرا بچہ بھی۔۔۔۔" کیاریوں سے خشک پتے نکالتی ماورا اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔

روتی کرلاتی چڑیا بے قراری سے کاکا جان کے سر

Aneela Pakistanipoint

مکمل ناول

کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔
اس کی معصوم چوں چوں سے چھلکتا درد، بے بسی۔ ماورا کا دل بے پناہ اداسی میں گھر گیا۔
"بے چاری چڑیا۔!" وہ تاسف سے کاکا جان اور چڑیا کو دیکھتی رہی۔
دونوں کا دکھ ایک ہی تھا۔
کاکا جان کی سسکیاں اور چڑیا کی کرلاہٹیں۔
ماورا وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر گھاس نوچنے لگی۔ اسے کاکا جان کی طرح رونا نہیں آتا تھا، مگر اس کا دل کسی بھاری سِل کے نیچے دبا تڑپ رہا تھا۔
گزشتہ کئی روز سے کاکا جان کی ہر سرگرمی کا مرکز ایک یہ گھونسلہ ہی تو تھا۔ جس روز چڑیا اپنی چونچ میں پہلا تنکا لے کر اُڑی کاکا جان کے چہرے پہ چھائی مسرت قابلِ دید تھی۔
"گھونسلہ بننے جا رہا ہے بٹو! آؤ دعا کریں۔ اللہ اس ننھی چڑیا کی محنت ٹھکانے لگا دے۔ اس ننھے آشیانے کو آندھی و بارش سے بچائے۔"
اور اس نے بھی مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے تھے۔ اور پھر کچھ روز بعد جب درختوں کی برہنہ شاخوں پر سبز کونپلیں پھوٹ رہی تھیں اور فضا میں سبز گھاس کی تازہ خوشبو ہلکورے لے رہی تھی۔ "چوں چوں" کی دلفریب آوازوں سے سارا گھر بھر گیا تھا۔ گھونسلے سے اٹھتی معصوم اور نوخیز آوازوں کو سن کر کاکا جان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔
"کئی دنوں کی تپسیا رنگ لے ہی آئی۔"
"بند پر نالے کا سارا رخ زمین کی طرف ہے۔ اگر بچے گر گئے تو۔۔۔؟" وہ اپنا خدشہ زبان پر نہ لائی تھی، مگر وہی ہوا تھا۔ پہلے دو بچوں کے بعد آج تیسرا بچہ بھی تپتی زمین پہ گر کر مر گیا تھا۔
ماورا نے ایک طویل سانس لے کر سر اٹھایا۔ کاکا جان اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ اور درد کی ماری چڑیا ہانپتی کانپتی کسی شاخ تلے جا چھپی تھی۔
"اتنا چھوٹا سا وجود اور اتنا ڈھیر سا درد۔ کیسے سہہ پائے گی ننھی چڑیا۔" درخت کی شاخوں سے سرکتی مائل زرد دھوپ براہ راست اس کے وجود پر پڑنے لگی تو وہ بجھے دل کے ساتھ اٹھ کر خود کاکا جان کے بند کمرے کے دروازے کو تکتی برآمدے کی سیڑھیوں پہ آ بیٹھی۔
دھوپ ڈھل رہی تھی۔
"آج کی یہ شام کتنی اداس ہو گئی۔" ہوا میں ہلکی سی تپش کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ستون سے سر ٹکا دیا۔
درختوں کے لمبے ہوتے سائے اس کے دل میں وحشت جگا گئے۔
ہر طرف چپ اور ویرانی۔
"کاکا جان بھی کیسی کیسی باتوں کو دل پہ لے لیتے ہیں اب اگر یہ چڑیا کے بچے کا معاملہ نہ ہوتا تو چائے کی ایک پیالی کے ساتھ ان کا لکھا ہوا کوئی کالم ہی سن رہی ہوتی۔ اچھا یا برا۔ کوئی آواز تو کانوں میں پڑتی۔"
وہ بیزار سی ہو کر ابا کے کمرے میں آئی۔ وہ ابھی تک دوا کے زیرِ اثر سو رہے تھے۔ تب ہی کسی نے لکڑی کا دروازہ زور سے بجایا۔ وہ الٹے قدموں واپس آئی۔ دروازے کے باہر سلیم کے سائیکل کی گھنٹی بار بار بجنے سنائی دی تو اس نے بے دھڑک دروازے کی کنڈی گرا دی۔ پچھلے ایک ہفتے کے اخباروں کا بنڈل بغل میں دبائے دھوپ کی شدت سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ سلیم نے ایک مختصر سی نگاہ اس پر ڈالی اور سلام کرتے ہوئے سیدھا کاکا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ باورچی خانے میں آ کر چائے کا پانی رکھنے لگی۔ سلیم کو دیکھ کر ہی پتہ چلتا تھا کہ آج ہفتے کا دن ہے وگرنہ دنوں، مہینوں اور تاریخوں کا حساب کتاب رکھنا اس گھر کے مکین عرصہ ہوا بھول چکے تھے۔
سلیم ہفتے بھر کے اخبار نہ جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر لاتا تھا۔ صرف کاکا جان کے لیے اور اب اسے رات گئے تک ان کے پاس بیٹھنا تھا۔ دنیا بھر کی خبروں پر تبصرہ سننے کے لیے، کاکا جان کے خیالات اور آراء

Aneela Rehmani Point

سے مستفید ہونے کے لیے۔

"پتا نہیں سلیم کو کاکا جان سے اتنا عشق کیوں ہے؟"

کمرے کے دروازے پہ ہوتی دستک کو سنتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ذرا دیر بعد سلیم کی سنجیدہ سی شکل باورچی خانے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

"کاکا دروازہ نہیں کھول رہے۔" وہ الجھا ہوا تھا۔

ماورا نے لمحہ بھر کے لیے اس کی بات سنی۔

"اگر سلیم کے آنے پر بھی دروازہ نہیں کھلا تو گویا اب صبح تک کوئی اُمید نہیں رکھی جا سکتی۔ پھر یہ چائے کا تکلف۔۔۔؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر چولہا بند کر دیا۔

"جب کبھی دل کو ٹھیس لگتی ہے۔ یہ دروازہ پہروں بند رہتا ہے۔ اب خدا جانے کمرے میں بیٹھے کب تک اپنے غموں کو روتے رہیں گے۔ سنا تھا وقت بہت سے زخموں کو بھر دیتا ہے۔ مگر یہاں تو خزاں بھی رلاتی ہے اور بہار بھی، کوئی گھونسلہ بکھر جائے تو اداسی جوبن پر۔

پھول مرجھا جائیں تو غم کا انت۔۔۔ چڑیا کا بچہ مرجائے تو ماتم شروع۔ ڈار سے کونج بچھڑے تو واویلا، کوئی کہاں تک بہلائے ان کو۔ دیکھتے بھالتے بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے کہ۔۔۔" اپنے خیالات میں الجھتے اس نے سر اٹھایا۔

سلیم اس کی خاموشی سے تنگ آکر جانے کب کا جا چکا تھا۔

* * *

خشک دودھ کا ڈبہ خالی تھا۔ اس نے مایوس ہو کر ڈبہ واپس رکھا اور باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔ ڈھلتی شام میں چائے پینے کو کتنا دل چاہا تھا۔۔۔ مگر۔۔۔

"آہ یہ مفلسی۔۔۔ دال روٹی ہی چلتی رہے تو بڑی بات۔ وقت بے وقت ایسی عیاشی ہم لوگوں کو نصیب کہاں؟"

وہ چپ چاپ ابا کے کمرے میں آئی۔۔۔ اور بیٹھ کر کرسی جھلانے لگی۔

کاکا جان نے ابا کو کوئی کتاب پڑھ کر سناتے سناتے ہوئے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ کھڑکی سے باہر کسی بے رنگ منظر پہ نگاہ جمائے وہ بہت بیزار سی لگی تھی انہیں۔

"کیوں بھئی۔۔۔ وہ چائے پلانے کا ارادہ کیا ہوا بٹو۔۔۔؟" کتاب کے درمیان میں انگلی رکھے اسے عارضی طور پر بند کرتے ہوئے وہ اس کی طرف پلٹے۔

"دودھ ختم ہو چکا کاکا۔۔۔"

"وہ تو کئی روز پہلے کی بات ہے نادان۔۔۔ میں اتنے روز سے قہوے پر ہی تو جی رہا ہوں" انہوں نے ہنسی میں بات اڑانی چاہی مگر وہ مروتاً بھی ان کا ساتھ نہیں دے سکی۔

"لیکن مجھے قہوہ اچھا نہیں لگتا۔"

اس کی بات پر کاکا جان لمحہ بھر کے لیے چپ سے ہو گئے۔

"کوئی شربت ہی بنا لو۔۔۔" گھڑی بھر بعد انہوں نے متبادل پیش کیا۔

"کون سا بناؤں؟ بادام کا۔۔۔؟ انار کا۔۔۔؟ یا مالٹوں کا۔۔۔؟" معلوم نہیں اس نے شرارت کی تھی یا طنز۔۔۔ کاکا جان پھیکی سی ہنسی ہنس دیے تھے۔

اگلے روز جب وہ جھاڑ پونچھ کر ان کی سب اخباروں کو ترتیب سے رکھ رہی تھی انہوں نے آواز دے کر بلا لیا۔ اپنے آس پاس بے شمار صفحات پھیلائے، اپنے ضروری اور غیر ضروری کاغذات الگ کرتے ہوئے انہوں نے عینک کے موٹے عدسوں کے پیچھے سے گھورا۔

"یہ سارا دن کن کاموں میں الجھی رہتی ہو تم جب کہ کرنے کے سب کام جوں کے توں پڑے ہیں۔"

انہوں نے کاغذوں کا ایک پلندہ نکال کر اس کے سامنے میز پہ پٹخا۔

"کئی روز قبل تم سے یہ کالم عبداللہ ظفر کی میز تک

پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ اب یہ اتفاقاً میرے سامنے نہ آجاتا تو یونہی کاغذوں کے ڈھیر میں خدا جانے کب تک دفن رہتا۔"

"وقت کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی پہ نگاہ ڈالی اور پھر دیوار پہ لگے کلاک کو دیکھا۔ دونوں کی سوئیاں رکی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کلائی سے گھڑی اتار کر میز پہ دھیرے سے ٹھونکی اور پھر اس کی سوئیاں گھمانے لگے۔

"بہرحال۔۔۔ ابھی بیٹھا ہوگا وہ دفتر میں۔ تم یہ کالم لے جاؤ۔" ان کی پوری توجہ اپنی گھڑی کی جانب تھی۔ وہ چند لمحے کھڑی انگلیاں چٹخاتی رہی۔ تب انہوں نے نگاہ اٹھا کر اس کی ہچکچاہٹ کو جانچا۔

"کبھی کبھار باہر کی فضا میں بھی سانس لے لینا چاہیے۔ کوئی حرج نہیں ہوتا۔"

"آپ خود چلے جاتے۔" اس نے ایک بار پھر جان بچانا چاہی۔

"بھائی جان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ میرا گھر پہ ٹھہرنا ہی مناسب ہے۔ اور یوں بھی مجھے ڈر لگتا ہے بڑو! کہیں تم اس گھر کی تنہائی کا نوالہ ہی نہ بن جاؤ۔ صبح و شام ان درختوں میں گھومتے پھرتے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری جڑیں زمین کے اندر تک اتر جائیں اور پرندے تمہاری شاخوں پر گھونسلہ بنانے لگیں۔"

ان کا لہجہ ڈرا ہوا تھا اور آنکھیں پرنم۔۔۔ وہ اپنے ناخن سے میز کی سطح کھرچنے لگی۔

"کبھی تمہیں اداس اور خاموش دیکھوں تو۔۔۔"

"آپ میری بہت فکر کرتے ہیں کاکا۔۔۔" انہیں جذباتی ہوتے دیکھ کر اس نے بات کاٹ دی۔

"بھائی جان کے بعد میرے لیے صرف تم ہی تو ہو۔ تمہیں دیکھ کر اپنے سوگ بھولتا ہوں بڑو! تم کیا جانو تم میرے لیے کیا ہو؟" ان کی آواز مدھم پڑ گئی۔ وہ کاغذوں کا پلندہ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

آسمان گدلا سا ہو رہا تھا اور فضا میں ہر طرف گرد اڑ رہی تھی۔

"گھر سے نکلتے ہی آندھی آگئی تو۔۔۔؟" تیز ہوا سے درختوں کے پتوں کو شور کرتے دیکھ کر اس نے سوچا۔ مگر ہوا کی خوشگواریت گھر سے نکلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ سو وہ بڑے اطمینان سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ بس کے تکلیف دہ سفر اور پھر بے شمار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ اخبار کے دفتر میں پہنچی تو یہاں کے گھٹن زدہ ماحول نے اسے مزید کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہر میز پہ دو چار لوگ سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ چند ایک چلا چلا کر دفتر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اپنی آواز پہنچا رہے تھے۔ ایک نو عمر لڑکا میز کے نیچے گھس گھس کر چائے کے خالی کپ نکال رہا تھا۔ سگریٹ کا دھواں اور کاغذات کے انبار کی ناگوار سی مہک۔

کاکا جان کہا کرتے تھے۔۔۔ کسی زمانے میں یہ اخبار ملک کے نمبر ایک اخباروں میں شامل ہوتا تھا۔ ہاں ہوتا ہوگا۔۔۔ مگر وہ تو جب سے دیکھ رہی تھی تب سے ایسا ہی تھا۔ معلوم نہیں اس ادارے کے لوگوں کے علاوہ بھی کوئی اسے پڑھتا تھا کہ نہیں۔ اس کی آمد کا جائزہ خاصے ناقدانہ انداز میں لیا گیا تھا۔ وہ سیدھی عبداللہ ظفر کے کیبن میں گھس گئی۔ اپنے کسی ملازم پر خوب ہی برس کر ہانپتے ہوئے انہوں نے یہاں وہاں میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے اپنی عینک ڈھونڈ کر ناک پہ ٹکالی اور اس کو بغور جائزہ لینے لگے۔ اس نے اپنا تعارف کرائے بغیر کالم ان کے سامنے رکھ دیا۔ ایک سرسری نگاہ ڈال کر انہوں نے بس کالم نگار کا نام پڑھا اور پھر ان کاغذات کو میز کی سب سے نچلی دراز میں ڈال دیا۔

"تو شیرواں ہم سے پردہ کرنے لگا ہے کیا؟" وہ اب پُرسکون تھے۔ ماورا کو اس بات کا کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا تو چپ بیٹھی رہی۔

"اس سے کہنا' اب بات بہت پرانی ہو چکی ہے۔ لوگوں کو سقوطِ ڈھاکہ میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ لکھے ہے تو سقوطِ بغداد پہ لکھے، فلسطین کے، کشمیر کے مسائل پہ لکھے۔ جو بیت گیا سو بیت گیا۔ لوگ اسے

پڑھنا چاہتے ہیں جو ہو رہا ہے۔ آج کے دکھوں پر ماتم کرے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے نوحے میں اب کوئی دم خم نہیں رہا۔ عرصہ ہوا یہ آگ سرد ہو چکی۔ اب تو نئے آتش فشاں نگاہوں کے سامنے ہیں۔"

وہ اپنے بے لچک انداز میں بول رہے تھے۔ ماورا انہیں شک بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"کیا واقعی ایسا ہی ہے۔ جیسا یہ کہہ رہے ہیں؟"

"نوشیرواں صاحب کو ہمارا بہت سلام کہنا۔ اور ہماری طرف سے یہ انہیں دے دینا۔"

عبداللہ ظفر نے قدرے ترچھا ہو کر غالباً" اس سے چھپاتے ہوئے اپنے بٹوے میں سے کچھ رقم نکالی۔ میز کی دو چار درازیں کھنگالنے کے بعد انہیں مطلوبہ چیز نہ ملی تو میز کی بالائی سطح پر ہلا بول دیا۔ کچھ کاغذات ادھر ادھر گرے۔ پانی کا گلاس چھلکا۔۔۔ پیپر ویٹ لڑھک کر میز کے نیچے جا چھپا تب انہیں ایک لفافہ ملا جس میں وہ رقم ڈال کر انہوں نے ماورا کے سپرد کی تو اس کے چہرے پہ ہلکی سی سرخی چھا گئی۔

"کام لگ جاتا تو پھر۔۔۔"

"سنو لڑکی! نوشیرواں نے تمہیں کالم دیا، تم نے مجھ تک پہنچا دیا۔ میں تمہیں یہ رقم دے رہا ہوں۔ تم اسے نوشیرواں تک پہنچا دینا اب بتاؤ۔ اس معاملے میں اس سے زیادہ کوئی تعلق ہے تمہارا؟"

وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔

ان کی بات درست تھی۔ لیکن انداز۔۔۔ وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

عبداللہ ظفر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔ پھر اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے۔

"اس دفتر کا ماحول اتنا شائستہ اور مہذب بھی نہیں کہ میں اپنی بیٹی کو چائے پلاؤں اور اس کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کروں۔ اس کام کے لیے میں کسی روز تمہارے گھر آؤں گا۔ تاہم اتنا بتا دوں کہ یہ واقعی میرا اور تمہارے چچا کا معاملہ ہے۔ تم خوامخواہ اس کے بیچ ٹانگ مت اڑاؤ۔ سمجھیں؟" انہوں نے شفقت سے اس کا سر ہلایا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر انہیں سلام کرتی باہر آ گئی۔

"نوشیرواں سے کہہ دینا، باری آنے پر کالم لگ جائے گا۔" انہوں نے پیچھے سے آواز لگائی۔

وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے سر جھٹک کر مسکرا دی۔ جانتی تھی اور بہت سے کالموں کی طرح اس کالم کی باری بھی شاید کبھی نہیں آئے گی۔ اس کے ہاتھ میں روپے تھے۔ اور وہ مزید کچھ سوچ کر بددل نہیں ہونا چاہتی تھی اس لیے سیدھی بازار چلی آئی۔

موسم کے تیور بدلے بدلے سے تھے، لیکن پھر بھی وہ ان لمحات سے بہت لطف اندوز ہوئی۔ دکانوں کے شوکیس میں سجی چیزوں کو دیکھتے ہوئے بہت سا وقت بیت گیا۔ تب اس نے تھکن محسوس کرتے ہوئے واپسی کی ٹھانی۔ گھر آئی تو خشک دودھ کے بڑے پیکٹ کے ساتھ دال، چاول اور سلاد کے لیے کچھ سبزیاں لائی تھی۔ بقیہ پیسے کاکا جان کی دراز میں ڈال کر وہ کچن میں چلی آئی۔ رات کو اچار اور سلاد کے ساتھ دال چاول کھاتے ہوئے وہ خوشگوار موڈ میں چہک رہی تھی۔ کاکا جان اور ابا اس کی باتیں سن کر مسکراتے رہے۔

* * *

"بھئی سلیم! تم جو ہر وقت اپنی یونیورسٹی میں

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ایئر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۶ اردو بازار کراچی

دندناتے پھرتے ہو تو کیا ہماری ماورا کا داخلہ نہیں کروا سکتے وہاں؟" کاکا جان کی بات سن کر حوض کے کائی زدہ پانی سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ دونوں لکڑی کی بوسیدہ کرسیاں گھاس پہ ڈالے بیٹھے تھے اور بے رنگ میز کاکا جان کے ادھورے مسودوں اور ردی سے لائے گئے اخباروں سے بھرا ہوا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور آم کے کچے بور سے مہکتی فضا بیری کے انتہائی گھنے اور طویل قامت درخت سے سرخ پکے ہوئے بیر ٹپا ٹپ زمین پہ گر رہے تھے۔ جنہیں چن کر وہ دھونے کے لیے ذرا دیر کو یہاں رکی تھی۔ کہ کاکا جان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

سلیم ان کی بات سن کر ذرا سا چونکا۔ ایک نظر انہیں اور حیران ہوتی ماورا کو دیکھنے کے بعد وہ ان کے کالم کھول کر بغور جائزہ لینے لگا۔

"داخلہ تو ہو سکتا ہے کاکا! اگر آپ چاہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اٹھا اور ان کا قلم دھونے چل دیا۔

ماورا، کاکا جان کی دماغی حالت پہ شبہ کرتی ان کے قریب چلی آئی۔

"ابھی کیا کہہ رہے تھے آپ؟"

کاکا جان بغیر جواب دیے اخبار کھنگالنے لگے تھے۔

"گھر کیسے چلے گا۔۔۔؟ ابا جان۔۔۔ ان کی دیکھ بھال، کھانا پکانا۔۔۔؟"

"پہلے سارا کچھ تم ہی کرتی ہو؟" انہوں نے اخبار تہہ کر کے رکھا۔ اور بیروں کی نوکری اپنی طرف کھسکالی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بھی بہت مدد کرواتے ہیں لیکن۔۔۔"

"گونگی بوا سے کہہ دوں گا آجایا کرے گی۔" ان کا اطمینان ماورا کو کسی طور ہضم نہ ہو رہا تھا۔

(تو کیا یہ سوچ سمجھ کر طے کیے بیٹھے ہیں کہ) وہ کچھ لمحوں کے لیے خود سے الجھی، اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کاکا جان ذرا سا مسکرائے۔

"گھر کی فکر کیوں کرتی ہو؟ میں یہیں تو ہوتا ہوں سارا دن۔ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ کچھ اور پریشانی ہے تو کہو؟"

سلیم قلم دھو کر نیا نکور کرلانے کے بعد اب اس میں روشنائی بھر رہا تھا۔

"کتابیں، فیسیں، کپڑے، روز آنے جانے کا کرایہ۔۔۔" اس نے بہت سوچ سمجھ کر مسئلہ اٹھایا۔

"کتابیں خریدنے کی ضرورت ہی کیا ہے، لائبریریاں بھری ہوئی ہیں کتابوں سے۔ کپڑوں کے ایک دو جوڑے بھی، بہت کوئی فیشن شو میں تھوڑی جانا ہے۔ آنا جانا لوکل بس پہ۔۔۔ باقی رہ گئی فیس، تو دو سال کے لیے کہیں نوکر وکر ہو جاتے ہیں۔ کرلیں گے کچھ روز محنت، مزدوری۔" وہ مزے سے بیر کھا کر گٹھلیاں پھینک رہے تھے۔

"اب یہ کام کریں گے آپ۔۔۔" اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا تو وہ جاندار سی ہنسی ہنس دیے۔

"ارے بھئی میں کون سا سچ مچ کرنے جا رہا ہوں۔ اب اتنا دم خم کہاں۔ ہاں وہ کرامت علی ایک عرصے سے پیچھے پڑا ہے۔ ایک، دو ناول لکھ دیتا ہوں اس کو۔۔۔ نام اس کا، دام ہمارے۔"

وہ جل بھن گئی تھی ان کے ارادوں پر۔

"وہی ناول جو اپنی پونجی سے شائع کرانے کی حسرت ایک عرصے سے دل میں لیے بیٹھے ہیں آپ، آخر ایسی کون سی آفت، قیامت آگئی ہے جو مجھے یونیورسٹی بھجوانے پر تلے ہیں آپ۔۔۔ اور ابا جان بھی کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ خود میرا دل نہیں چاہتا پڑھنے کو۔ بس بی۔اے بہت ہے۔" اس نے حتمی فیصلہ سنایا۔

"تمہارے لیے بہت ہو گا بی۔اے، ہمارے لیے نہیں ہے۔" ان کا اطمینان برقرار تھا۔

"تو پھر آپ ہی جائیے یونیورسٹی۔ میرا کوئی ارادہ نہ شوق۔" وہ بدتمیزی سے کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی

ہوئی۔

"جائیں گی تو بتو آپ ہی۔" وہ اس کے پیچھے چالاک سی ہنسی ہنسے تھے۔ اپنے کمرے کی طرف جاتی ماورا کو غصہ آیا تو دل میں ان کی بات نہ ماننے کا پکا فیصلہ کرلیا۔ مگر وہ کاکا جان ہی کیا جو دوسرے کو اس کے ارادوں پر کاربند رہنے دیں۔

دو تین روز تک قلم ہاتھ میں لیے وہ سفید کاغذوں کو سیاہ کرتے رہے۔ کھانے پینے کا کوئی ہوش نہ تھا۔ بہت ہوتا تو اٹھ کر اپنے لیے کالی تھجنگ چائے بنائی یا غائب دماغی سے دو چار لقمے لے کر برتن کھسکا دیے۔ ماورا سے بھی سیدھے منہ بات نہ کی، سلیم آیا تو اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ وہ مکمل یکسوئی چاہتے تھے۔

ماورا نے تنگ آکر ابا سے شکایت کی۔

وہ فالج کے مریض۔۔۔ بولنے سے قاصر۔۔۔

اس کے شکوے سن کر دھیرے دھیرے مسکراتے رہے۔ کاکا جان کی جاں نثاری پر ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

"وہ جو کر رہا ہے، اسے کرنے دو۔ ورنہ مان ٹوٹ جائے گا۔" انہوں نے اشاروں سے سمجھایا تو اس نے بھی چپ سادھ لی۔

چوتھے روز اس نے سلیم کو کاغذات کا پلندہ لے جاتے دیکھا تو رہ نہ سکی۔ یونہی رنجیدہ سی ہو کر کاکا جان کے پاس چلی آئی۔

"آپ اچھا نہیں کر رہے کاکا!"

وہ تھکن زدہ سے پاؤں پسارے لیٹے تھے۔ وسط اپریل کی دوپہر میں خاموشی رچی تھی اور کھلی کھڑکی سے گندم کے پکے ہوئے خوشوں کی سنہری مہک گرم ہوا کے ساتھ کمرے میں آرہی تھی۔

انہوں نے کچھ دیر بڑی سپاٹ سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر اس کی اداسی کو محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی نرم پڑ گئے۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے لیے برا کروں گا؟" اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے انہوں نے گمبھیر سی سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال کیا تھا۔

"میرے لیے نہیں مگر اپنے لیے۔"

"شش۔۔۔" انہوں نے فوراً ہی اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "تمہیں کیا معلوم میرے لیے کیا اچھا ہے، کیا برا۔ نادان ہو بالکل۔" انہوں نے ہلکی سی ڈانٹ پلائی۔

"نادان ہوں، بے حس نہیں۔ آپ نے اپنے خواب بیچ دیے اونے پونے داموں، صرف میرے لیے کاکا جان! میرے دل کٹنے لگتا ہے جب میں سوچتی ہوں کہ آپ کے خیالوں پر، آپ کے لفظوں پر کسی اور نام۔۔۔" روکتے روکتے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔

کاکا جان اس کے ہاتھوں پہ گرتے شفاف آنسوؤں پہ نگاہ جمائے بیٹھے رہ گئے تھے۔

کتنا اطمینان حاصل ہوتا ہے، جب کوئی آپ کے لئے روئے، تڑپے آپ کے لیے آنسو بہائے۔ یہ بات کتنی تسکین بخش ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کا دکھ جانتے ہیں، سمجھتے ہیں اور پھر رو دیتے ہیں۔

کاکا جان نے ایک طویل سانس لی، ان کے چہرے پہ پھیلی آسودگی دیکھنے کے لائق تھی۔

"پگلی! میری ساری پونجی تو تم ہو۔ میرے سارے خواب، سارے خیال تم ہی سے وابستہ ہیں۔ پڑھ لکھ کر کچھ بن جاؤ تو پھر دیکھنا میرے ہر شاہکار پر میرا ہی نام ہوگا اور یہ لفظ ختم تھوڑی ہوتے ہیں۔ تب تک کچھ اور گھاک، کچھ اور عمر رسیدہ ہو جائیں گے۔ کہانی کو جکڑنا آجائے گا انہیں۔ دو سال کی ہی بات ہے پھر میں تخلیق کروں گا، تم تشہیر۔"

"ایک ڈگری لے کر کون سی دنیا فتح کروں گی میں۔ آپ بھی پتہ نہیں کیا کیا سوچ لیتے ہیں۔" اس نے بے دردی سے آنسو رگڑے۔

"ڈگری بڑے کام کی چیز ہوتی ہے بتو! علم ہو نہ ہو ڈگری ضرور ہونی چاہیے۔ اسی کے بل پہ عہدہ ملتا ہے، اس سے وزارتیں ملتی ہیں۔ اس ایک دستاویز کے زور پہ میں نے لوگوں کو راتوں رات محل کھڑے کرتے دیکھا ہے۔"

Areeba Pakistanipoint

"ابا بھی تو بہت پڑھے لکھے تھے کاکا!" اس نے انہیں خوش فہمیوں کے جال سے نکالنا چاہا۔

"ہاں۔ پر ان کا سارا علم، ساری قابلیت، ساری ڈگریاں ایک من چاہی غلطی کی نذر ہو گئیں۔ دوش ان کا نہیں، قصور ان کی قسمت کا تھا یا پھر اس سماج کا۔ جو ان کی غلطی معاف کر دینے کا ظرف نہیں رکھتا تھا۔ کسی زہر آلود عضو کی طرح انہیں اپنے جسم سے کاٹ کر پھینک دیا۔ تاعمر پچھتاوے میں جیئے ہیں۔ رہی سہی کسر پیدا کرنے والے نے پوری کر دی۔ انسان تقدیر کے چکر میں آجائے تو اس کا اپنا بس نہیں چلتا۔" وہ بات کرتے ہوئے کہیں کھو سے گئے تھے۔

"ہوا کیا تھا کاکا؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہوں۔" کاکا جان نے چونک کر پر سوچ نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ٹالنے کے لیے بات ہی بدل گئے۔

"اب مجھے ہی دیکھ لو، پانچ جماعتیں پڑھا ہوں لیکن کوئی ڈگری نہیں۔ ناولز، کالم، سوچ، سمجھ دانائی سب ایک طرف۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں۔ ہوتی کوئی ڈگری ہاتھ میں تو کسی بڑے انگریزی اخبار میں اچھی سی نوکری کر رہا ہوتا۔ آن بان سے زندگی گزارتے، یوں مر مر کر نہ جی رہے ہوتے۔" ان کا لہجہ ہارا ہوا تھا۔

"بہت سوں سے اچھے ہیں کاکا۔"

"کیا خاک اچھے ہیں بتو! کیا دل نہیں چاہتا کہ بھائی جان کا علاج کسی اچھے بڑے اسپتال میں ہوتا، اب تک بھلے چنگے ہو چکے ہوتے۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو عجیب بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں، بھائی جان ٹھیک ہوتے تو کیا عیش و آرام کی زندگی ہوتی تمہاری۔" انہیں اپنی ذمہ داریوں سے بڑھ کر اپنی بے بسی کا خیال رلاتا تھا۔

"اب بھی کوئی کمی تو نہیں ہے کاکا! ابا ٹھیک ہوتے، تب بھی میں اتنی ہی مطمئن، پر سکون اور خوشحال ہوتی، جتنی اب ہوں۔ آپ بھی تو میرا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ کبھی کسی چیز کے لیے ترسنے نہیں دیا۔" وہ ان کا ہاتھ تھامے سچے دل سے کہہ رہی تھی۔

"تو پھر تم میری بات مان کیوں نہیں لیتیں۔ میں واقعی تمہارے لیے کوئی کمی نہیں چاہتا۔" وہ پھر سے اپنی بات پر آ رکے تھے۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر سر جھکا لیا۔

"مان تو رہی ہوں کاکا! حالانکہ میرا پڑھنے کو بالکل دل نہیں چاہتا۔"

"سلیم تمہارے کاغذات جمع کرا دے تو پھر تم اس کے ساتھ جا کر یونیورسٹی دیکھ آنا۔ بہت اچھا اور ذمہ دار لڑکا ہے وہ۔ تمہیں وہاں کوئی پریشانی نہیں ہونے دے گا۔"

* * *

بہت عرصہ پہلے کی بات نہ تھی۔ کاکا جان "کتاب گھر" کے بینچ پہ بیٹھے بازار کی رونق دیکھ رہے تھے۔ سلونی شام تھی، غروب ہوتے سورج کی سرخی سامنے مسجد کے میناروں کو دہکا رہی تھی۔ فضا میں اترتی ٹھنڈک کلیوں اور گلابوں کی خوشبو سے لبریز۔ وہ کسی سوچ میں محو تھے اور پھولوں کے ہار، گجرے بیچنے والے یکے بعد دیگرے ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے تھے۔

تب ہی ایک نوجوان لڑکا دکان میں داخل ہوا۔ بھٹی صاحب ردی کی کتابوں کے ڈھیر میں گم کاکا جان کی مطلوبہ کتابیں تلاش کر رہے تھے، جب اس لڑکے نے کاؤنٹر بجا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اپنی کسی کتاب کے بارے میں پوچھ رہا تھا جس کے لیے اس نے کافی عرصے سے بھٹی صاحب کو کہہ رکھا تھا۔

"وہ کتاب نہیں مل رہی بچے!" بھٹی صاحب کے لاپروائی سے دیے گئے جواب سے لڑکے کے چہرے پہ مایوسی پھیل گئی تھی۔

کاکا جان دو تین روز سے اس لڑکے کو باقاعدہ چکر لگاتے دیکھ رہے تھے۔ اس کی اداسی کو شام کے رنگوں میں گھلتے دیکھا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کتابیں نکال کر الگ سے رکھ لینا بھٹی! میں چند روز میں دوبارہ چکر لگاؤں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ

بھٹی صاحب کے بعد اس نوجوان سے مخاطب ہوئے تو وہ قدرے حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔

"چلے جاؤ' فائدے میں رہو گے۔" بھٹی صاحب نے ٹھوکا دیا تو وہ کچھ نہ سمجھنے کے باوجود ان کے پیچھے چل دیا تھا۔

ایک طویل راستہ پیدل چلنے کے بعد وہ جس گھر تک آئے اس کا بڑا سا دروازہ لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ دروازہ کھلنے پر ایک مختصر سی روش سامنے آئی جس کے دونوں اطراف کی کچی زمین گھاس سے اٹی ہوئی تھی۔ سبز قطعے میں آم' آڑو اور انار کے درختوں کی بہتات تھی۔ آڑو اور انار کے درمیانے قد کے درختوں کی شاخیں باہم یوں پیوست تھیں کہ کچے سبز آڑو کے ساتھ ہی انار کے سرخ شگوفے کھلے ہوئے تھے۔ اس سبز قطعے کا آدھا حصہ اس طویل قامت بیری کے درخت نے گھیر رکھا تھا جس کی شاخیں جھک کر ایک جھاڑ کی صورت میں زمین پر آ رہی تھیں۔ گھنی بیری کے نیچے کا حصہ دن کی روشنی میں بھی تاریک تھا۔ آم کے درخت کے نیچے چھوٹا سا حوض جس پر جا بجا خشک پتے تیر رہے تھے۔ سامنے برآمدے کے محرابی دروازوں پر سیمنٹ کی جالیاں لگی تھیں اور ان سے پرے کمروں کی قطار' بے رنگ و روغن' بوسیدہ دروازے' بے ترتیب کیاریاں' قدیم درختوں کی شاخوں سے لپٹی ہیبت ناک سی خاموشی جو کسی زہریلے ناگ کی طرح پھنکار رہی تھی۔

سلیم کو خود سے دو قدم آگے چلتا ہوا شخص کوئی بدروح معلوم ہوا تھا اور یہ سارا گھر کسی آسیب کا مسکن۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا تھا کہ وہ پلٹ کر بھاگے اور اس گھر سے بہت دور جا کر ہی دم لے مگر اس دوران وہ شخص اسے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آنے کی دعوت دے چکا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے دروازے سے اندر قدم رکھا۔ کمرے کے اندر بھی سناٹے کا وہی عالم تھا۔ وہ چپ چاپ کونے کی دیوار سے جا لگا۔

اس شخص نے جیب سے چابی نکالی اور کمرے میں موجود لکڑی کی واحد الماری کھولنے لگا جس کے شیشے بے حد دھندلے تھے۔

چند لمحے بعد اس کی مطلوبہ کتاب اس کے سامنے تھی۔ وہ حد درجہ حیرت سے اس شخص کو دیکھے گیا۔

"تم پر اعتبار کر کے تمہیں یہ کتاب دے رہا ہوں۔ امید ہے تمہیں نہیں پہنچاؤ گے۔ فی زمانہ کتاب سے زیادہ انسان کا انسان پر اعتبار زیادہ قیمتی ہے۔ بیٹھ جاؤ' چائے بنا کر لاتا ہوں۔"

عجیب بے نیازی تھی' انداز و اطوار میں' بات چیت میں۔

وہ ان کے جانے کے بعد کمرے کی خالی دیواروں' الماری میں بھری کتابوں' میز پر رکھے بہت سے مکمل' نامکمل مسودوں اور ان کے کھلے قلم کا جائزہ لیتا رہا جس کی نوک پر روشنائی جم چکی تھی۔

وہ چائے لے کر آئے جو بیک وقت بہت کڑوی اور بہت میٹھی تھی۔ زیادہ پتی' زیادہ چینی۔ وہ پہلا گھونٹ لیتے ہی مسکرا دیا تھا۔

"میرا نام سلیم ہے۔" اس نے پہلی مرتبہ خوف اور ہچکچاہٹ کے بغیر انہیں دیکھا تھا۔

"مجھے سب کاکا جان کہتے ہیں۔"

"کیا میں اکثر آپ سے ملنے کے لیے آ سکتا ہوں؟"

"تمہارا دل چاہے تو ضرور۔"

* * *

یونیورسٹی میں پہلا دن اور سلیم اسے لان میں بٹھا کر غائب۔ ہوا بالکل بند تھی۔ ماحول میں حبس اور قدرے تپش نے اسے حد درجہ بیزار کر دیا تھا۔ فائل میں سے چند پیپرز نکال کر جھلتے ہوئے وہ اپنے سامنے آتے جاتے اسٹوڈنٹس کو دیکھتی رہی۔

"ابھی نکلوں یہاں سے اور بھاگتے ہوئے گھر پہنچ جاؤں۔ بھاڑ میں جائے یونیورسٹی' ڈگری اور پڑھائی۔ ارے اس وقت آم کی چھاؤں تلے کیا مزے سے سستایا کرتی تھی۔ کاکا جان کو بھی عجب سوجھی۔ کیسی مشقت میں الجھا دیا۔ اب یہاں کتابوں سے مغز ماری

کیا کروں گی۔" اس نے دوپٹے کے پلو سے ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔

"اور یہ سلیم کو دیکھو، کاکا نے کہا تھا تمہارا خیال رکھے گا، کوئی پریشانی نہ ہوگی اور حضرت دو گھنٹے سے غائب۔" اس نے اٹھ کر ایک چھوٹا سا چکر لگا کر یہاں وہاں سلیم کو ڈھونڈا۔ کسی سنجلے اسٹوڈنٹ نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر قدرے جھکتے ہوئے "مے آئی ہیلپ یو میم" کا نعرہ لگایا تو وہ چڑ کر دوبارہ اسی بینچ پر آبیٹھی۔ تب ہی اسے احساس ہوا کہ اسے سخت بھوک لگ رہی ہے۔

صبح کاکا جان نے بھی کیسی عجلت میں اسے گھر سے نکالا تھا۔ سلیم کو دیر ہو رہی تھی۔ وہ خود تو منہ سے کچھ نہ بولا۔ کاکا جان نے اودھم مچایا دیا تھا۔ ماورا کو اگر پہلے سے خبر ہوتی کہ آج یونیورسٹی جانے کا پروگرام ہے تو نماز کے بعد ہی سے تیاری شروع کر دیتی مگر قصور تو سارا کاکا جان کا تھا جو سلیم کے ساتھ پروگرام بنا کر اسے بتانا بھول گئے تھے اور اب سب سے زیادہ آفت بھی انہوں نے ہی مچائی ہوئی تھی۔ جب تک ماورا کپڑے بدل کر آئی، وہ اس کے تمام ضروری کاغذات فائل میں لگا چکے تھے۔ بقیہ چیزیں سلیم کو تھمائیں اور وہ دونوں گھر سے باہر۔ ناشتہ بھی نہ کرنے دیا۔

"اور یہ سلیم۔۔۔ یہ بھی تو کاکا جان کا ہی چیلا ہے۔ اب ہے کوئی احساس۔ ایک لڑکی ذات کو تن تنہا یہاں بٹھا کر خود نجانے کہاں کہاں آوارہ گردی کر رہا ہوگا۔"

اس نے تھک کر پہلو بدلا۔ اکتاہٹ اور بیزاری کے بعد ذہن پہ چھائی غنودگی نے اس کی آنکھوں میں سرخی سی بھر دی تھی۔

تب ہی دور سے سلیم آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ کوفت بھرے انداز میں اسے قریب آتا دیکھتی رہی۔

"فیس جمع ہو گئی، یہ رہی رسید، یہ رول نمبر سلپ، یہ کلاسز کا شیڈول۔" اس نے سارے کاغذات ایک ایک کر کے اسے تھمائے۔

"یہ کچھ نوٹس ہیں اور یہ چند کتابیں۔ ابتدائی طور پر ان ہی سے مدد ملے گی۔ بعد میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا کرتیں۔ انہیں اسٹڈی کر کے جائیں گی کلاس میں تو بہت مدد ملے گی۔"

ماورا نے بے دلی سے ساری چیزیں تھام کر گود میں رکھ لیں۔ سلیم نے ایک نظر اس کے اکتائے ہوئے چہرے پر ڈالی اور پھر بینچ کے دوسرے سرے پر جا بیٹھا۔ ماورا نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"آپ مجھے یہاں بٹھا کر بھول گئے تھے یا آپ کے پانچ منٹ سے مراد پانچ گھنٹے ہوتے ہیں۔"

"پانچ گھنٹے۔۔۔؟" سلیم کی نگاہ کلائی پہ بندھی گھڑی پر پھسلی۔ اسے یاد تھا، وہ اسے پانچ منٹ میں واپس آنے کا کہہ کر گیا تھا۔

"بمشکل ایک گھنٹہ ہوا ہے۔ آفس میں رش بہت تھا۔ فیس جمع کرانے میں زیادہ وقت لگا پھر لائبریری سے بھاگم بھاگ کتابیں نکلوائیں۔ ایک دوست سے نوٹس لانے کا کہہ رکھا تھا۔ بعجلت ہی سب کام نمٹا کر آیا ہوں۔" سلیم نے وضاحت دی تھی۔

ماورا کی کلائی پر گھڑی موجود نہ تھی، وگرنہ وہ کبھی اس کی بات کا یقین نہ کرتی۔

"اب ڈپارٹمنٹ دیکھنے چلیں یا لائبریری؟" سلیم پوچھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے، گھر چلتے ہیں۔"

"گھر۔۔۔؟" سلیم نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"اصل میں، میں نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ بھوک، پیاس اور گرمی نے میرا برا حال کر دیا ہے۔" وہ اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سلیم بری طرح شرمندہ ہو گیا۔

"مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ یہاں کینٹین ہے، میں آپ کو وہاں سے۔۔۔"

"نہیں، گھر ہی چلتے ہیں۔ فی الحال تو مجھے یہاں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ پتہ نہیں ہر روز کیسے آیا کروں گی۔" وہ بہت بددل لگ رہی تھی۔

سلیم نے اصرار کرنا چاہا تھا مگر کچھ سوچ کر چپ ہو رہا۔ موڈ نہ ہو تو کسی بات پر وہ کاکا جان سے بھی تکرار کر لیا کرتی تھی۔ اس کا تو بالکل بھی لحاظ نہ کرتی۔ وہ

چپ چاپ شرافت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مارے مروت کے یہ بھی نہ کہا کہ ابھی مجھے ایک بہت ضروری اسائنمنٹ جمع کرانی ہے۔ اس کے موڈ کا بھی کیا بھروسہ تھا' پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتی۔

* * *

گھر پہنچی تو ہر سو خاموشی تھی۔ سلیم اسے چھوڑ کر باہر سے ہی واپس چلا گیا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی ابا کے کمرے کی طرف آئی۔ وہ انہیں ڈرانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر کاکا نجانے کہاں سے نکل آئے' اسے دیکھتے ہی نعرہ بلند کیا۔

"آہا۔۔۔ آگئی ہماری بٹو!"

وہ پہلے بری طرح ڈر کر اچھلی اور پھر ہنستی ہوئی کمرے میں بھاگ آئی۔

"ابا! میں آگئی۔" وہ جاتے ہی ان سے لپٹ گئی۔ ابا کا کپکپاتا ہاتھ بمشکل اس کے سر پہ آ کے ٹھہرا۔

"تمہارے بغیر دل بہت اداس ہو گیا تھا۔" ابا نے آدھی بات زبان سے' آدھی اشاروں سے سمجھائی۔

"اچھے بھائی جان! گلے سے لگائیے بٹیا کو۔ یوں منہ بسورتے ہوئے تو اسکول میں بھی پہلے دن نہ گئی تھی' جیسے آج یونیورسٹی گئی تھی۔" کاکا جان نے آکر اسے چھیڑا۔

"جی اسکول کے پہلے دن مجھے ابا نے تیار کر کے بھیجا تھا۔ ناشتہ بنا کر اپنے ہاتھوں سے کھلایا اور لنچ بنا کر ساتھ روانہ کیا تھا۔ آج تو ہمیں کاکا جان نے بھگتایا تھا۔ بغیر ناشتے بغیر چائے پانی کے۔"

اس نے شرارت سے کہتے ہوئے ان کے چہرے کی بدلتی رنگت کو نہ دیکھا تھا۔ ذرا دیر تک ابا سے باتیں کر کے وہ اٹھی تو کاکا کمرے میں موجود نہ تھے۔ وہ کوئی خاص توجہ دیے بغیر باورچی خانے میں آگئی۔ صبح کی ٹھنڈی روٹی پر آم کی چٹنی رکھی۔ ساتھ میں گرم چائے کا کپ بنایا اور مزے سے کھا کر باہر آگئی۔

فضا میں حبس جوں کا توں موجود تھا۔ درختوں کے پتے ساکت اور ان کی شاخوں میں دبکی چڑیاں بے زار لگ رہی تھیں۔ اس نے شہتوت کے درخت کی شاخوں میں پھنسا کٹورا نکال کر دیکھا۔ بالکل خشک' گرد آلود' وہ حوض کی طرف آگئی۔ کٹورا دھو کر اس میں صاف پانی بھرتے ہوئے اسے ایک درخت کی اوٹ میں کاکا کی جھلک دکھائی دی۔ اس نے قدرے حیران ہو کر دیکھا اور کٹورا شاخوں میں دوبارہ پھنسا کر پیچھے سے گھوم کر کاکا جان کے سامنے آگئی۔

"ارے۔" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

وہ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سر جھکا ہوا اور یہ موٹے موٹے آنسو ہاتھ کی پشت پر ٹپاٹپ برس رہے تھے۔

"کاکا جان!" اس نے ایک دم ان کے قریب اٹھ کر ان کا چہرہ اوپر کیا۔ آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی۔ آنسو ان کے پورے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ کسی حساس بچے کی طرح چھپ چھپا کر بغیر کوئی آواز نکالے وہ بہت زیادہ رو چکے تھے۔

"کیا ہوا ہے کاکا جان!" انہیں اس حالت میں دیکھ کر ماورا کو لگا' وہ خود بھی ایکدم رو دے گی بغیر کوئی وجہ جانے۔

"بول کیوں نہیں رہے کاکا! کیوں رو رہے ہیں؟" اس نے زور سے ان کا بازو جھنجوڑا۔

"کچھ نہیں ہوا' یونہی اپنی کوتاہی پر رونا آگیا۔"

"کیسی کوتاہی؟"

کاکا جان بغیر کوئی جواب دیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بازو موڑ کر آستین سے آنسو پونچھے اور حوض پہ آکر منہ پر پانی کے چھپاکے مارنے لگے۔

وہ چند لمحے منتظر رہی پھر اٹھ کر ان کے سر پہ جا پہنچی۔

"آپ بتا کیوں نہیں رہے کاکا! میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے؟"

"ارے کچھ نہیں بٹو! تم تو خوامخواہ۔" انہوں نے کترا کر نکل جانا چاہا مگر اس نے زبردستی روک لیا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ یوں چھپ چھپا کر روتے رہیں اور کوئی آپ سے پوچھے بھی نا۔ یوں غیریت

Aneela Pakistanipoint

برتیں گے تو عمر بھر بات نہیں کروں گی آپ سے۔"
اسے سچ مچ غصہ آگیا تھا۔
کاکا جان چند لمحے ہونٹ کاٹتے رہے پھر بمشکل بولے۔
"سارا قصور میرا ہے۔ جوں جوں عمر بڑھتی جارہی ہے، میں بھی سٹھیاتا جارہا ہوں۔ پہلے سلیم کے ساتھ پروگرام بنایا تو تمہیں یونیورسٹی جانے کی اطلاع نہ کی۔ پھر پکڑ دھکڑ کر یونیورسٹی بھیجا تو ناشتے کا خیال نہ کیا، یعنی غلطی پہ غلطی۔ حالانکہ جانتا تھا، تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ سلیم کو بھی صرف فیس کے پیسے دیے تھے، ورنہ وہیں سے کچھ دلا دیتا۔ پتہ نہیں کیوں مجھ سے ایسا ہوجاتا ہے، حالانکہ میں کرنا تو نہیں چاہتا مگر غلطی بس ہو ہی جاتی ہے۔" ان کی آواز دوبارہ بھرا گئی۔
ماورا نے سر تھام لیا۔
"کیوں ایسی بات منہ سے نکالی۔ بے چارے کاکا جان کا دل توڑ دیا۔" وہ جی بھر کر پچھتائی۔
"تم نے سارا دن بھوک میں گزارا ہوگا۔" وہ دل کی باتیں زبان پہ لا رہے تھے۔
"پلیز کاکا۔" ماورا نے چیخ کر انہیں چپ کرا دیا۔
"کیوں اتنے حساس ہوجاتے ہیں آپ! اتنی سنجیدگی سے لیتے ہیں آپ ایسی باتوں کو۔ مجھے جانتے نہیں ہیں کیا۔ کتنا فضول بولتی ہوں میں۔ کبھی تول کر نہیں بولی بلکہ بول کر بھی نہیں تولتی۔ جو منہ میں آتا ہے، کہہ دیتی ہوں۔ معنی و مطلب کی پروا کیے بغیر۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا آپ یوں سوچیں گے۔ قسم لے لیجیے جو دل میں ذرا سا بھی شکوہ ہو۔ بس یونہی زبان پھسل گئی اس پل اور پھر میں کوئی دودھ پیتی بچی تو نہیں جو اتنی سی بھوک بھی برداشت نہ کرسکوں گی۔ کاکا جان بہت برے ہیں آپ! آج تو حد کردی ہے۔ کتنی شرمندگی ہورہی ہے مجھے، آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔" وہ سچ مچ پانی پانی ہورہی تھی۔
کاکا جان اس سے بڑھ کر شرمندہ کہ بے چاری بچی پریشان ہوگئی۔
فوراً" ہی موڈ درست کرلیا۔ ہونٹ مسکرانے کے سے انداز میں پھیلا لیے۔ بات بدل ڈالی، یونہی یونیورسٹی کے متعلق پوچھنے لگے۔
ماورا ابھی تڑتڑ بولتی رہی پھر کاکا جان، ابا کے پاس چلے گئے۔ وہ ابا کے لیے دلیہ پکانے کو اٹھ گئی۔ کام سے فارغ ہوکر کچن سے باہر نکلی تو موسم اپنا رنگ بدل رہا تھا۔ آسمان کا رنگ زردی مائل سرخ ہورہا تھا۔ ہوا میں تیزی اور ٹھنڈک۔ گرد اڑ اڑ کر برآمدوں تک آرہی تھی۔ اس نے بالٹی اٹھائی اور پانی بھر بھر کر برآمدے سے آگے کی کچی زمین پر چھڑکنے لگی۔

شاہِ مدینہ، شاہِ مدینہ
عطروں سے بڑھ کر تیرا پسینہ
شاہ مدینہ شاہ مدینہ

بیری کی شاخوں میں چھپے طوطوں نے شور مچا رکھا تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھ کر زور زور سے نعت پڑھنے لگی۔
ہوا میں مزید تیزی آگئی تھی۔ درختوں کی شاخیں زور زور سے ہلکورے لینے لگیں۔ ماحول میں مٹی کی خوشبو رچ بس گئی تھی۔ اڑتی ہوئی گرد آنکھوں میں گھسنے لگی تو دوپٹہ کھینچ کر گھٹنوں تک تان لیا۔ یہ بچپن کی عادت تھی۔ نعت پڑھ کر بہت سرور ملتا تھا۔ ایک نعت ختم ہوئی، دوسری شروع۔

کوئی لفظوں میں کیسے بتائے
ان کے رتبے کی حد ہے تو کیا ہے
ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے
صرف اللہ ان سے بڑا ہے

کسی نے سر پہ زور کی دھپ لگائی۔ اس نے ہڑبڑا کر گھونگھٹ الٹا۔ شوں کی آواز کے ساتھ آندھی آئی اور دوپٹہ دور تک اڑا لے گئی۔ اس نے بمشکل ایک کونے سے تھام کر دوپٹہ سنبھالا۔
"بھاگ جاؤ کمرے میں پھر چیخ چیخ کر روؤ گی۔" کاکا جان کمرے کے دروازے بند کررہے تھے۔
تیز آندھی نے دل دھڑکا دیا۔ ایسا موسم اسے بہت خوفزدہ کرتا تھا۔ ڈر کر بھاگی سیدھی ابا کے کمرے میں۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے تسبیح کررہے تھے۔ یہ فوراً" ان

Areeba Pakistani Portal

کے کاندھے سے لگ کر بیٹھ گئی۔
کاکا جان دروازے کھڑکیاں بند کر کے آئے اور آتے ہی اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ "یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور آندھی سے ڈرتی ہے۔ واہ واہ۔۔۔ کیسی دلیر ہے ہماری بھتیجی۔"
"بہت دلیر ہوں، درختوں کے پیچھے چھپ چھپ کر نہیں روتی، ہاں۔" اس نے بھی ان کی کمزوری پکڑ لی تھی۔
"زیادہ باتیں مت بناؤ، ابھی ٹھوکریں مارتی ہوا آئے گی۔ سب دلیری دھری کی دھری رہ جائے گی۔ بہت خوفناک طوفان ہے۔ بارش بھی ہوگی، بادل بھی گرجیں گے۔"
شام کے چار بجے تھے اور باہر آدھی رات کا منظر۔ گرد سے اٹے بادلوں نے قیامت کا شور مچا رکھا تھا۔ دن کی روشنی غائب تھی۔ ہر چیز پر سیاہی غالب۔ وہ سہم کر چپ ہو گئی۔ ابا تسلی آمیز انداز میں اسے تھپکیاں دینے لگے۔
کاکا جان نے بھی بات بدل دی اور پوچھنے لگے۔
"یونیورسٹی میں کس کس سے ملیں، کسے دوست بنایا، کیا کیا دیکھا؟"
"تو، پہلے دن ہی دوستیاں گانٹھنے بیٹھ جاتی۔ ابھی تو بس دور دور سے ہی سب دیکھا اور وہاں کی لڑکیاں۔۔۔ کاکا کچھ مت پوچھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک لباس۔ آپ تو کہتے تھے دو جوڑوں میں گزارہ ہو جائے گا لیکن وہاں تو واقعی فیشن شو لگتا ہے۔ اتنے اچھے اچھے کپڑے۔ لیجئے، اب اور کیا کہوں۔ یہ سب بتاؤں گی تو آپ پھر حساس ہونے لگیں گے کہ بٹو کے پاس زیادہ کپڑے کیوں نہیں۔ سمجھیں گے کہ ماورا شکوہ کر رہی ہے۔ لو بھئی، ہم تو الٹی سیدھی کہنے سے بھی گئے۔ زبان پہ تالا لگانا پڑے گا اگر یہ ہی صورت رہی تو۔"
وہ بولتی رہی۔ کاکا دل پہ پتھر رکھ کر مسکراتے رہے۔ مفلوج ابا نے آنکھوں میں آئی نمی کو گرد کے بہانے پونچھا۔ تسبیح کے دانے بے ترتیب ہو کر ان کی کپکپاتی انگلیوں سے نکلتے گئے۔ اپنی بہت ہی پیاری بیٹی کے معصوم چہرے سے نگاہ ہٹا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے انہوں نے دکھی دل کے ساتھ سوچا۔
"کاش میں کسی قابل ہوتا۔"

❁ ❁ ❁

تازہ کلیوں کی مہک ایکدم اس کی سانسوں میں شامل ہو گئی تھی۔ ہارون اسرار نے قطعی غیر ارادی طور پر اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے عین سامنے وہ لڑکی بیٹھی تھی اور یہ تیسری مرتبہ ہوا تھا کہ وہ اس لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک سا گیا تھا۔
"کیوں؟" وہ سوچ میں ڈوب گیا۔
"اس لڑکی کے قطعی اجنبی خدوخال میں اتنی اپنائیت کیوں؟"
"ہر بار یہ چہرہ مجھے چونکا دیتا ہے۔ اپنی جانب کھینچتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کہیں کوئی پرانی جان پہچان؟"
اس نے کھلی کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اس لڑکی کو دیکھا اور پھر اپنی یادداشت کو کھنگالا مگر کہیں کچھ بھی نہ تھا۔ بس وہی دو واقعات تھے جو ننھے جگنوؤں کی طرح ذرا ذرا سی دیر بعد دل و دماغ میں جل بجھ رہے تھے۔
اسے یاد تھا، اس روز وہ پروفیسر افضال ناصر کے پاس کسی کام سے گیا تھا۔ کلاس روم میں داخل ہونے پر اسے پہلا چہرہ یہ ہی نظر آیا تھا۔ پروفیسر افضال اپنی نئی کلاس سے تعارف حاصل کر رہے تھے اور یہ لڑکی کہہ رہی تھی۔
"مجھے نہیں معلوم مستقبل میں، میں اس ڈگری کو کس طرح استعمال کروں گی۔ میرے یہاں آنے کا خواب کسی اور آنکھوں نے دیکھا تھا۔ میں تو بس اس خواب میں رنگ بھرنے کو یہاں آگئی ہوں۔"
"گویا تمہاری زندگی کے اہم فیصلے دوسرے لوگ با آسانی کر سکتے ہیں۔" پروفیسر صاحب کا اندازہ یقیناً درست تھا مگر اس لڑکی نے بڑی سہولت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں رد کر دیا تھا۔
"سب لوگ نہیں سر! لیکن جو شخص میرے حوالے سے دیکھے گئے ایک خواب کے لیے اپنے سب

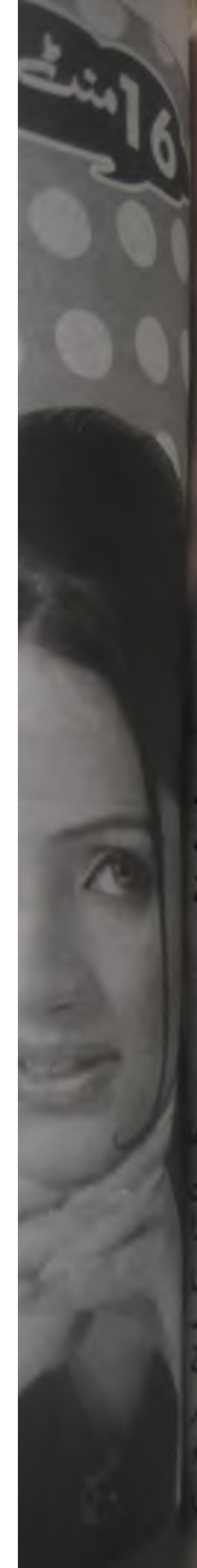

خواب بچ ڈالے' اس کا ہر حرف میرے لیے حرفِ آخر ثابت ہوگا۔"

ہو سکتا ہے اس کے اور پروفیسر صاحب کے درمیان مکالمہ کچھ دیر اور جاری رہتا مگر پروفیسر صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ لڑکی سر جھکا کر اپنی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔

اور ہارون اسرار کو یہ بھی یاد تھا کہ اس دن ایک چہرہ پل بھر کے لیے دن کے نجانے کس حصے میں اس کی نگاہوں کے سامنے گھوما بھی تو اسے یاد نہ آسکا تھا۔ اس نے یہ چہرہ کب اور کہاں دیکھا تھا۔

"اے ہارون! کیا خیال ہے۔ یہ انیب چوہدری اس باریونین کا الیکشن۔۔۔" احمد کیانی اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔

ہارون اسرار نے اپنے شعور میں ڈوبتی ابھرتی سوچ کا کونہ پکڑتے ہوئے احمد کیانی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

اور محض دو دن قبل اس نے اس لڑکی کو کوریڈور میں ایک لڑکے سے ٹکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ لڑکا بہت عجلت میں تھا اور اس انداز سے اس سے ٹکرایا تھا کہ اس کی ہاتھ میں پکڑی فائل اور فائل میں رکھے بہت سے کاغذات کوریڈور میں بکھر گئے تھے۔ وہ اسی تیزی میں معذرت کے دو بول کہتا آگے بڑھ گیا تھا اور اس لڑکی کو سخت بیزاری کے عالم میں اپنے تمام کاغذات اٹھاتے دیکھ کر ہارون کو اس بد تہذیب لڑکے پر بلا کا غصہ آیا تھا۔ اس وقت یہ لڑکی اپنے تمام کاغذات اٹھا کر فائل میں لگانے کے بعد کلاس روم میں جانے کے بجائے وہیں کوریڈور کی سیڑھیوں پہ آبیٹھی تھی۔ فائل اس کی گود میں تھی اور بند مٹھی پہ چہرہ جمائے وہ گویا خود سے باتوں میں محو ہو گئی تھی۔

اور ہارون کو یہ بھی یاد تھا کہ اس روز' اس پل' اس نے یونہی بے وجہ ہی کوریڈور میں کئی چکر لگائے تھے۔

اس روز موسم بہت خوبصورت تھا اور بارش کی نمی سے لیبرز ہوا اس روز بھی کلیوں کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔" وہ دھیرے سے مسکرا کر سیدھا ہو بیٹھا اور پشت کرسی سے ٹکا کر نگاہیں اس کے چہرے پہ جما دیں۔

اور آج تیسری بار وہ لڑکی اس کے سامنے تھی۔ لائبریری کے روشن اور پُرسکون ماحول میں اپنے سامنے ایک کتاب کھولے وہ خود ایک بند کتاب کی مانند اسے متاثر کر رہی تھی۔ کلیوں کی بہت مدھم سی خوشبو آس پاس سرسرا رہی تھی۔

"اس لڑکی کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ ان شاہزادیوں کا خیال آجاتا ہے جو اپنے محل کے جھروکے میں بیٹھی' دریا پہ ڈولتی کشتیوں کے عقب میں ڈوبتے سورج کو دیکھا کرتی تھیں اور اُداس رہتی تھیں۔" احمد نے کتاب بند کر کے سامنے میز پر کھسکائی اور دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

ہارون نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ایک نظر احمد کو دیکھا اور پھر کھلی کتاب کے کئی صفحات ایک ساتھ پلٹتے ہوئے پوچھا۔

"جانتے ہو اسے؟"

"کچھ خاص نہیں' بس اتنا ہی کہ اس کی آواز بہت اچھی ہے اور بولنے میں ایک خاص ردھم۔ میں نے ابھی تک اسے دوسرے اسٹوڈنٹس کے ساتھ گھلتے ملتے نہیں دیکھا۔"

احمد کیانی کھڑا ہو کر اپنی کتابیں سمیٹ رہا تھا۔ جبکہ ہارون اسرار کے اٹھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

❁ ❁ ❁

سہ پہر کا وقت تھا۔ سلیم ماکا جان کے ساتھ کھانا کھا کر ابھی ابھی گیا تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو جھوٹے برتن یونہی پڑے تھے۔ لمبی دم والی گلہری روٹی کا ننھا سا ٹکڑا اپنے ہاتھوں میں تھامے بڑی نزاکت سے کھا رہی تھی۔ ذرا سی آہٹ پر اس کا تیزی سے چلتا ہوا منہ ساکت ہوا اور اگلے ہی پل وہ باہر نکل گئی۔ ماورا نے جھوٹے برتن اٹھائے' کمرے کو ذرا سا سمیٹ کیا اور باہر نکل گئی۔ آج موسم اچھا خاصا گرم تھا۔ گرم ہوا بدن کو جھلسائے دے رہی تھی۔ اس نے ابا کے کمرے میں

Aneela PakistaniPoint

جھانکا تو انہیں قدرے بے چین دیکھ کر وہ تولیہ بھگو لائی۔ چہرے' گردن' بازوؤں پہ گیلا تولیہ پھیر کر اس نے پنکھا تیز کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ہزار بار بٹن گھمانے کے بعد بھی وہی رفتار رہی تو ابا بے اختیار مسکرا دیے۔

وہ بھی کھسیا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"کن چوچلوں میں پڑی ہو' یہ دیکھو۔" کاکا جان نے اندر آ کر بھگو کر نچوڑی ہوئی چادر ابا کے اوپر ڈال دی۔ ہوا نم آلود ٹھنڈک کے ساتھ ان کے بدن تک پہنچی تو ان کے چہرے پہ خود بخود آسودگی پھیل گئی۔ کاکا نے آگے بڑھ کر کھلی کھڑکی بند کی۔ دروازے کے سامنے پردہ گرایا اور خود باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھ کر کتابیں کھنگالنے لگی۔ نیم تاریک کمرے میں اسے کتاب پر جھکے دیکھا تو ابا باہر جا کر پڑھنے پر اصرار کرنے لگے۔ اس نے ساری کتابیں اٹھائیں اور کاکا کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ان سے ایک اسائنمنٹ لکھوانا چاہ رہی تھی۔

"آخر ہمیں بھی تو کچھ فائدہ ہو۔"

مگر کاکا نے صاف انکار کر دیا۔

"پکا پکایا حلوہ کھانے کا شوق ہے تو ابھی بنائے دیتا ہوں مگر یہ کام نہیں کرنے کا۔ استاد سے بے ایمانی۔ توبہ۔۔۔ سارا علم دھول' مٹی۔" لیکچر دینے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

اس نے کتابیں کھینچ کر اپنے سامنے رکھ لیں۔

"کچھ مدد تو کروا سکتے ہیں کہ نہیں۔" اس نے آخری حربے کے طور پر امید سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے بڑے چست انداز میں اپنی الماری کھولی اور دو چار کتابیں اس کے سامنے رکھ کر خود باہر چلے گئے۔

"اوہ خدایا۔" یہ موٹی موٹی کتابیں دیکھ کر اس کا دل اوب گیا۔ جمائی پہ جمائی آنے لگی۔ آنکھیں نیند سے بھر گئیں۔ اس سے پہلے کہ ان ہی کتابوں کو اوڑھ بچھا کر سو جاتی کاکا جان پرچ میں چائے کا کپ کھڑکھڑاتے سر پہ آن پہنچے۔

"کڑک چائے۔"

"کاکا! اتنی گرمی میں؟"

"تو جاؤ' پہلے نہا دھو کر تازہ دم ہو آؤ۔ یوں ست ہو کر پڑھنے لگیں تو ہو چکا کام۔ اٹھ جاؤ' ورنہ دو جھانپڑ لگا کر ساری نیند رخصت کر دوں گا۔" ان کی آنکھوں سے سچ مچ کا غصہ چھلک رہا تھا۔

"تب تک تو چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" اس نے کپ تھاما اور چسکیاں لینے لگی۔ ساتھ ساتھ اسائنمنٹ کی آؤٹ لائن بھی تیار کر لی۔

"ایک کالم لکھ رکھا ہے۔ صبح لیتی جانا۔ واپسی پر عبداللہ ظفر کو دے آنا۔ صبح کے وقت تو وہ دفتر میں نہیں ہوتا۔"

کاکا جان کی بات سن کر اس کا چلتا ہوا قلم یکلخت تھم گیا تھا۔ کئی باتیں ایک ساتھ یاد آ گئیں تو اس نے خالی کپ آہستگی سے چٹائی پر رکھ دیا۔ کاکا جان کرسی پر اس کی طرف پشت کیے بیٹھے تھے۔ وہ کئی لمحے انہیں دیکھتی رہی پھر کتاب کی بے جان سطروں پر نگاہ جما دی۔

وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ پچھلا کالم شائع ہو گیا؟ اگر نہیں تو ایک بار پھر کیوں؟ مگر پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ کتنے پل بیت گئے' تب جانے کیسے زبان پھسل گئی۔

"کاکا! کہتے ہیں سقوطِ ڈھاکہ کے نوحے میں اب کوئی دم خم نہیں رہا۔ بات پرانی ہو گئی ہے اور یہ کہ اب اس آگ میں کوئی چنگاری باقی نہیں رہی۔"

کاکا جان اس کی بات سن کر چپ ہو رہے تھے۔ اتنی طویل چپ کہ اسے ان کی طرف سے کسی جواب کی امید نہ رہی۔ تب وہ بولے بھی تو یوں گویا ہر سانس پچھلی لے رہی ہو۔

"جسم کا کوئی حصہ کٹ جائے تو وقت صرف زخم بھرتا ہے بیٹا! محرومی کا کربناک احساس کبھی دم نہیں توڑتا' خواہ دن گزریں یا ماہ و سال۔ جس نے جھیلا ہو وہی جانتا ہے۔ ہنستے بستے گھروں میں ویرانی یوں اتری تھی کہ دل آج بھی کھنڈر ہیں۔ پر کیا کریں کہ جو دکھ میرا ہے' وہ میرا ہی ہے۔ اسے نہ تم جان سکتی ہو' نہ کوئی اور۔"

ماورا نے طویل سانس لے کر سر جھکا دیا۔ بے اختیار ہی ابا کی ڈائری کا لکھا ہوا ایک صفحہ اس کی

آنکھوں کے سامنے گھوم گیا تھا۔

"دو ہفتے ہو گئے ہیں اور یہ نوجوان یہیں رہتا ہے۔ نیم دیوانہ، نیم پاگل سا، زیادہ تر غشی طاری رہتی ہے۔ ہوش میں آئے تو اس کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔ رانیہ جی جان سے اس کی خدمت کرتی ہے۔ بسا اوقات اس کے رونے کرلانے پر خود بھی رونے لگتی ہے۔ اسی کی منت سماجت پر گلی گلی اس کی شناخت کے لیے گھوما ہوں۔ تب جا کر معلوم ہوا کہ وہ تو اپنے تنکا تنکا بکھرے آشیانے کا چلتا پھرتا نوحہ ہے۔ گھر جل چکا تھا اور ہر طرف اڑتی ہوئی راکھ نے آسمان بھی دھندلا دیا تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے بتایا کہ اسی راکھ میں نوشیرواں کی بیوی کی لاش بھی دبی تھی۔ اس بیوی کی لاش جس کی کوکھ میں نوشیرواں کا سات ماہ کا بچہ پل رہا تھا۔ میں اس اجڑے بیاباں سے نکل بھاگا۔ میرا بھی ایک گھر تھا جس میں میری بیوی میری منتظر تھی۔ یہ وحشت ناک سیاہ دھواں مجھے اپنے گھر کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ میں دیر کر بیٹھوں۔ گھر پہنچا اور پھر رانیہ اور نوشیرواں کو لے کر سیدھا پاکستان آگیا ہوں۔ جس دیوانے کو گھر اٹھا لانے پر میں رانیہ سے خفا تھا، وہی شخص اب دل سے قریب محسوس ہونے لگا ہے۔ خوابوں، امیدوں اور تمناؤں کو کھو دینے والا انیس سالہ شخص۔ مظلوم و مقہور۔ کاش میرے پاس کوئی ایسی طاقت ہوتی کہ اس کی سیاہ آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کی جگہ مسکراہٹ کی روشنی بھر سکوں۔ یہ شخص اتنا پیارا ہے کہ اب تو لگتا ہے عمر بھر اس کی جدائی کبھی برداشت نہیں ہوگی۔"

کاکا جان نے اس کی طرف رخ موڑ لیا تھا۔ وہ جو بہت دیر سے ان کے سرمئی بالوں پہ غالب آتی سفیدی پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ سر جھکا کر آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلنے لگی۔

"کہنے والوں کو بتا دیا کرو بٹو! کہ دکھ کبھی ماند نہیں پڑتا۔ تقسیم کا واقعہ تو سقوطِ ڈھاکہ سے بھی بہت پہلے کا ہے نا۔ پر لوگ آج بھی اپنے پیاروں کو روتے ہیں جن کی بے گور و کفن لاشیں راہ کی دھول مٹی میں پڑی رہ گئیں۔ اب اور کیا کہیں، جو بچھڑ گئے ان کی یاد رہ رہ کر آتی ہے اور جو کبھی نہ مل سکے ان کے ملنے کی امید نہیں جاتی۔ ہاں بات پرانی ہو گئی ہے مگر دکھ پرانا نہیں ہوا۔ اس خطے کے ایک کونے میں ہم اپنا دل بھول آئے بٹو! وہ پکارتا ہے ہمیں تو اندر ایک نہیں، ہزار چنگاریاں پھوٹتی ہیں۔ من بھسم ہو جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں، اس آگ میں چنگاری باقی نہیں رہی۔"

* * *

سیمینار روم خالی ہو چکا تھا۔ آخری اسٹوڈنٹ کو بھی اپنے سامنے سے گزرتے دیکھ کر احمد کیانی نے اکتا کر دوبارہ اندر جھانکا۔ بہت سی خالی کرسیوں کے درمیان بیٹھے ہارون اسرار کے اٹھنے کا کوئی ارادہ نہ دیکھ کر وہ بری طرح جھنجلایا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ اسے پکارنے کو تھا، جب وہ لڑکی ایکدم اس کے سامنے آگئی۔ ہلکی سی گھبراہٹ اور بے چینی اس کے ہر ہر انداز سے نمایاں تھی۔

احمد کیانی نے ہٹ کر اسے راستہ دیا اور پھر خود بھی اس کے پیچھے چل دیا۔ وہ لڑکی اب کرسیوں کے آس پاس کوئی چیز ڈھونڈ رہی تھی۔

"کس گیان دھیان میں مصروف ہو۔ چلنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" وہ ہارون سے مخاطب تھا۔

"تم چلو، میں آرہا ہوں۔" وہ بڑے اطمینان سے اپنی فائل کھولنے لگا تھا۔

"او کے لیکن اگر تم نے پانچ منٹ سے زیادہ دیر لگائی تو ہو سکتا ہے میں تمہیں پارکنگ میں نہ ملوں۔" وہ اسے گویا تنبیہہ کر رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔ میرا پین کہیں کھو گیا ہے۔ کیا آپ میں سے کسی نے دیکھا یا کسی اور کو اٹھاتے ہوئے دیکھا ہو تو۔" وہ لڑکی دور کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"وہ پین گولڈ کا تھا؟" احمد نے اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"گولڈ کا؟" وہ لڑکی حیران ہوئی اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

Areeb Pakistan Point

"آپ شاید میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ پین میرے لیے گولڈ سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔"

"میں نے کسی کا مذاق نہیں اُڑایا اور نہ ہی میں نے کوئی پین دیکھا ہے۔" احمد نے کندھے اچکائے اور باہر کی جانب چل دیا۔

وہ چند لمحے کھڑی آس پاس دیکھتی رہی اور پھر ہاتھ مسلتی باہر کی جانب چل دی۔

سیمینار روم کے ٹھنڈے ٹھار ماحول میں تنہا بیٹھے ہارون اسرار نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر اس لڑکی کو بہت دور تک جاتے دیکھا اور پھر اپنی فائل میں سے ایک پین نکال کر اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پہ اس وقت ایسی مسکراہٹ تھی کہ کوئی بھی دیکھتا تو جان لیتا کہ چور کون ہے۔

کاکا جان اس پر اتنا برسے تھے کہ حد نہیں۔ وہ دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھے، آنکھیں میچے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"حد ہو گئی، ایک قلم تک تم سے سنبھالا نہیں گیا اور کیا کرو گی تم زندگی میں۔ جانتی ہو، ایک قلم کار کے لیے اس کا قلم کیا حیثیت رکھتا ہے۔ میں اپنی اولاد کی طرح سنبھال کر رکھتا تھا اسے۔ اتنے سالوں میں وہ ایک بار بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا اور تم ہو کہ ایک روز میں اس سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اگر پتہ ہوتا کہ ادھر ادھر پھینک آؤ گی تو کبھی نہ دیتا اور تم نے مانگا کیوں تھا مجھ سے، ہیں۔" اس کے سر پہ ہاتھ گاڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"جانتی ہو نا، انکار نہیں کر سکتا تمہیں، اسی لیے مانگ کر لے گئیں۔ اچھا آئندہ کے لیے تمہیں کوئی چیز دوں تو پھر کہنا۔" اس کے سر پہ اچھی خاصی چپت لگا کر وہ کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔

اس نے سارا غبار ابا کے پاس آ کر نکالا۔

"سمجھا لیں اپنے بھائی صاحب کو۔ ایک ناکارہ پین کے بدلے اتنی باتیں سنائی ہیں مجھے۔ کھونے والی چیز تھی، کھو گئی۔ اب کہاں سے ڈھونڈ کر لاتی میں۔ پاگلوں کی طرح ایک ایک سے تو پوچھتی پھری میں مگر نہیں ملا۔ لوگ پوچھ رہے تھے۔ کیا گولڈ کا پین تھا؟"

"اب شکایتیں گا رہی ہو چغل خور۔" کاکا جان نجانے کہاں سے گھوم پھر کر واپس آ گئے تھے۔

"میں نہیں لگاتی، آپ لگا لیں۔" انہیں ابا کے پاس بیٹھتے دیکھ کر وہ چڑ کر اٹھ گئی۔

"بھائی جان! میرا قلم گم کر آئی ہے یہ لڑکی۔" وہ ابا کا ہاتھ تھامے دلگیر لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"ہونہہ! ایک بار پھر وہی تکرار۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھرے باہر آ گئی۔ شام ہو رہی تھی۔ درختوں پہ واپس آتی چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔ فضا میں ہلکی سی گرد تھی اور سورج کی لالی درختوں کے آخری سروں پر ٹھہری ہوئی تھی۔

اس کا دل اچاٹ سا ہو گیا۔ بیزاری حد سے سوا ہوئی تو لمبے بانس کا ڈنڈا لے کر اس نے سارا غصہ آم کے درخت پر نکالا۔ ٹپاٹپ، بے شمار کیریاں یہاں وہاں گرتی رہیں۔

کاکا جان کمرے سے چیخنے لگے۔

"کیوں رزق کی بے حرمتی پہ تلی ہو۔ سارا پھل پیروں تلے آئے گا۔ ارے کچا پھل کس کام کا، ایسی بربادی۔"

اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ بہت سی کیریاں گرا چکی تو چڑیوں کی دشمن ہو گئی۔ چھٹاک، چھٹاک..... درختوں کی شاخوں پہ ڈنڈا مار کر سب چڑیوں کو اڑا ڈالا۔ بہت سے پتے ڈالیوں سے ٹوٹ کر زمین پہ آ رہے۔ اس درجہ بدتمیزی پر کاکا جان اور کتنا خاموش رہ سکتے تھے۔ زور سے دھاڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے تو وہ ڈر کے مارے سب چھوڑ چھاڑ بھاگ کر کمرے میں جا چھپی۔ چارپائی پہ گر کر تکیے میں منہ چھپا لیا۔ بہت دیر تک بے آواز آنسو بہاتی رہی پھر ہلکی سی جھپکی آ گئی۔

آنکھ کھلی تو کمرہ تاریک تھا۔ کچھ دیر کسلمندی سے پڑی رہی پھر مجبوراً اٹھ کر باہر آ گئی۔ برآمدے میں زیرو واٹ بلب روشن تھا اور اس سے پرے آنگن کی ہر

Neelam Pakistanipoint

چیز اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔
کاکا جان دوسرے کمرے میں ابا کو کھچڑی کھلا رہے تھے۔ وہ دانستہ چپل گھسیٹتے ہوئے کمرے کے سامنے سے گزری تاکہ ان کے موڈ کا اندازہ ہو سکے مگر وہ دروازے کی طرف پشت کیے بدستور اپنے کام میں مصروف رہے تھے۔
وہ بددل ہو کر باورچی خانے میں آگئی۔ کیریوں سے بھری ٹوکری سامنے دھری تھی۔ اس نے چند کیریاں چھیل کر چٹنی بنائی۔ آٹا گوندھ کر روٹی بنانے تک وہ ساری ناراضی بھول کر شرمندہ ہوتی رہی۔
"افوہ۔ کیا جن بھوتوں کی طرح آفت مچائی تھی میں نے۔ حد ہو گئی بھئی۔"
اسے خود پہ کاکا جان والا غصہ آیا تھا۔ اسی کشمکش میں آخری روٹی جل گئی تھی۔ اسے اپنے لیے رکھ کر باہر جھانکا۔ کاکا جان چارپائیاں آنگن میں بچھا رہے تھے۔ وہ باورچی خانے میں بیٹھی ان کا انتظار کرتی رہی پھر خود ہی کھانا تیار کر کے باہر آئی تو وہ چارپائی پہ چت لیٹے تھے۔ ابا ساتھ والی چارپائی پہ لیٹے خراٹے لے رہے تھے۔
چاند غائب تھا، چاروں اور مکمل تاریکی۔ ہلکی ہلکی ہوا کلیوں کی نوخیز مہک سے بوجھل ہو رہی تھی۔
"کاکا! کھانا۔" وہ پائنتی پر بیٹھ گئی۔
وہ چند لمحے اندھیرے میں اسے دیکھتے رہے پھر چنگیر اس کے ہاتھوں سے لے لی۔
"تم بہت بدتمیز ہو گئی ہو بٹو!" ان کے لہجے میں شکایت تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ کچھ وقت یونہی گزرا پھر یکدم ہاتھ بڑھا کر قریب سے گزرتے جگنو کو مٹھی میں لے لیا۔
"کاکا معاف کر دیں۔" اس نے جگنو ان کے بالوں میں چھوڑ کر دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑ دیے۔
"پگلی۔" کاکا جان خوش دلی سے ہنس دیے۔
ماورا کو لگا وہ ایک جگنو ہزار جگنوؤں میں بدل کر اس کے آس پاس منڈلانے لگے ہیں۔

* * *

زمین سے آسمان تک پھیلے خلا میں وہ تنہا بیٹھی تھی۔ اتنی تنہا کہ آس پاس بکھرے لوگوں کا وجود اس کے لیے کہیں بھی نہیں تھا۔ ان لوگوں کی بہت سی باتیں، بہت سی آوازیں اگر تھیں بھی تو اسے سنائی نہ دے رہی تھیں۔ ایک مہیب خاموشی تھی جس میں اس کا وجود بہت ہولے ہولے تیر رہا تھا۔ ہاں، واحد احساس جو اس کی رگوں میں ایک خوشبو سی دوڑا کر اسے تازہ دم کر رہا تھا، ننگے پیروں تلے شبنم میں بھیگی گھاس کی ٹھنڈک کا احساس تھا۔ یونیورسٹی کے سبزہ زار میں، بینچ سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے وہ بڑی فراغت سے بیٹھی تھی۔ تبھی ہولے سے کوئی سرسراہٹ اس کے بہت ہی قریب ابھری۔ کوئی انجانی سی مہک، نامعلوم سا احساس۔ اس کی پلکیں لرز کر ایک دوسرے سے ذرا سی جدا ہوئیں تو سب سے پہلی نگاہ گود میں پڑے گلاب کے پھول پر جا کے رکی تھی۔ کھلا ہوا بے حد سرخ پھول۔
اس کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں۔
بائیں طرف کسی کے وجود کا احساس ہوا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت اطمینان سے اس کے برابر بیٹھا تھا۔ اس سے نگاہ ملتے ہی وہ ایک خوبصورت اندرونی حصار جو بہت دیر سے اسے اپنے گھیرے میں لیے بیٹھا تھا، یکلخت ہی ایک چھناکے سے ٹوٹ سا گیا تھا۔ اپنے حواسوں میں واپس آنے میں اسے بس چند لمحے لگے تھے۔ ایک بار پھر گلاب کے پھول کو اپنی نگاہوں کی گرفت میں لے کر وہ کچھ حیران اور کچھ پریشان ہوئی تھی۔
"یہ۔۔۔؟" پھول اٹھا کر اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جس کے لبوں پہ ٹھہری مبہم مسکراہٹ گویا اس کی رنگ بدلتی کیفیات سے محظوظ ہونے کی دلیل تھی۔
"یہ آپ کے لیے ہے۔" بڑا ہی پُرسکون انداز تھا۔ ماورا نے کتنے ہی پل اسے دیکھنے اور سمجھنے میں لگا دیے تھے۔ بہترین لباس، چمکدار چہرہ اور آنکھوں سے چھلکتی بشاشت۔ وہ یقیناً کسی امیر کبیر خاندان سے تعلق

تھا۔

"میرا نام ہارون اسرار ہے۔" اسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے تعارف کرایا۔ ماورا نے ایک طویل سانس لے کر نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

"تمہارے تعارف کے لیے بس اتنا ہی کافی ہو تا کہ تم ایک مرد ہو' خوشحال مرد۔ نام کوئی بھی ہو سکتا ہے مگر کام۔۔۔؟" استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سوچا اور پھول کی پتیوں کو اپنی پوروں سے چھو کر اس کی نرمی محسوس کرنے لگی۔

"میں فائنل ایئر کا اسٹوڈنٹ ہوں اور۔۔۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

"اپنی دولت اور حسن کا خراج وصول کرنے کے لیے مجھ جیسی لڑکیوں کو چارہ ڈالنا۔" اس نے ذرا سا جھکتے ہوئے پیروں میں جوتا پھنسایا۔

"میں آپ کا نام جاننا چاہتا ہوں۔" وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔

"انداز ماہرانہ' طریقہ بوگس۔۔۔ وہی روایتی جملے بازی جن کے بارے میں کبھی صرف افسانوں میں پڑھا کرتے تھے۔ درس گاہ کو بھی اپنی تفریح کی جگہ سمجھ لیا ہے انہوں نے۔" وہ عجب اکتاہٹ سی محسوس کرتے ہوئے اپنا بیگ اور فائل اٹھانے لگی تھی۔

"میں نے آپ کا نام۔۔۔" اس کے دوبارہ بولنے پر وہ کچھ دیر کو ٹھہری۔

"نام کے بعد چائے یا کولڈ ڈرنک کی آفر' پھر دوستی کی پیشکش' پھر تحفے تحائف کا تبادلہ' چند روز عیاشی اور پھر تو کون' میں کون؟" طنزیہ انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم مجھے فلرٹ سمجھ رہی ہو؟" اس کی روشن آنکھوں میں حیرت اور غصہ ایک ساتھ چھلکا تھا۔

"اس کے بعد میں تمہیں اور کیا سمجھ سکتی ہوں۔" گلاب کا پھول اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا کر بینچ پر پھینکتے ہوئے وہ پلٹی تو ایکدم ہی اس کا ہاتھ تھام کر رکتے ہوئے وہ اس کے مقابل آگیا تھا۔

"دیکھو' تم اس طرح۔۔۔"

ایک لمحے کے لیے ماورا کا سارا جسم سُن ہو گیا تھا۔ اگلے ہی پل کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر اس نے کل کی سی تڑپ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"اپنی حد میں رہو' ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" کپکپاتی آواز میں اس نے بمشکل کہا اور پھر بھاگتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ وہ اس سے دور ہوتی گئی۔

ہارون اسرار حیرت کی انتہا پہ کھڑا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا کہ اس نے کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑا ہو اور وہ لڑکی اس سے یوں ناراض ہو گئی ہو۔

❁ ❁ ❁

وہ وقت سے پہلے گھر آگئی تھی۔ لکڑی کا دروازہ بجاتے بجاتے اس کے ہاتھ سرخ ہو کر دکھنے لگے تھے۔ دھوپ کی شدت اور انتظار کا یہ عالم کہ بند دروازے سے سر پھوڑنے کو دل چاہ رہا تھا۔ بہت دیر بعد دروازے کے دوسری طرف قدموں کی آہٹ ابھری۔ دروازہ کھلا تو کاکا اجڑے بالوں' سرخ آنکھوں سمیت حواس باختہ سے سامنے کھڑے تھے۔

"تم اس وقت۔" یونیورسٹی کے بعد لائبریری میں اچھا خاصا وقت لگا کر آیا کرتی تھی' سو ان کی حیرت جائز تھی۔

وہ بغیر کچھ کہے اندر آگئی۔

کاکا جان نے ایک بار پھر کریدا۔

"خیریت تو ہے نا' یوں بے وقت کیسے آگئیں؟"

"بس یونہی۔ ذرا گرمی سی محسوس ہو رہی تھی اور سر میں درد بھی ہونے لگا' اس لیے جلدی واپس آگئی۔" اس نے سوچ سمجھ کر بہانا بنایا۔ وہ بھی شاید کچی نیند سے اٹھ کر آئے تھے' فوراً" ہی ٹل گئے۔

"کہا تو تھا' ٹھنڈی چیزیں کھایا کرو۔ وہ شہتوت کا سارا پھل یونہی مٹی میں رُل جاتا ہے۔ آج ہی پتہ بچھا دیتا ہوں۔ کل تک شہتوت اکٹھے کر کے شربت بنا دوں گا۔ گرمی کو پاس پھٹکنے نہیں دے گا۔" وہ جواب میں کچھ نہ بولی تھی۔

کاکا باہر نکل گئے' تب ایک لمبا سا سانس کھینچ کر وہ

Aneela PakistaniPoint

چارپائی پہ گر گئی۔
کچھ دیر یونہی چھت پہ نگاہ ٹھہری رہی پھر اچانک وہ اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر بغور اسے دیکھنے لگی۔ کچھ بھی نہیں تھا مگر نجانے کیوں پانچ دہکتی ہوئی انگلیوں کا لمس جیسے اس کے ہاتھ پر ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

"بمشکل دو کلاسز لے پائی تھی وہ اور اس سارے وقت میں اس کی نگاہ بار بار پھسل کر اپنے ہاتھ کی پشت پر جا رکتی تھی۔ لیکچر کا ایک لفظ بھی سماعتوں میں نہ پڑا تو وہ بے زار ہو کر گھر چلی آئی۔

"یہ عجب مصیبت ہے۔" وہ آنکھوں میں نمی لیے اٹھ بیٹھی۔

"اپنی وقت گزاری کے لیے دوسروں کی جان عذاب میں ڈال دو۔ کسی کی پل بھر کی تفریح، لمحے بھر کی عیاشی اور کسی کی جان کا روگ۔" وہ دونوں بازوؤں میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔

"اللہ کرے آج کے بعد کبھی اس کی شکل دکھائی نہ دے۔" اس نے دل سے دعا کی تھی۔

* * *

وہ یونیورسٹی جانے کو تیار تھی، پر نجانے کیوں سستی دکھا رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد یونہی کتنی دیر تک وہ ٹہلتی رہی۔ درختوں کی شاخوں پہ ادھر سے ادھر اڑتے ہوئے پرندے اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ وہ پھرتی پھراتی کلیوں کے جھنڈ کے پاس آگئی۔ خوب کھلی کھلی سی کلیاں توڑ کر آنچل بھرا اور حوض کے کنارے آبیٹھی۔ ایک ایک کر کے بہت ساری کلیاں حوض کے پانی پہ تیرنے لگی تھیں۔ اس بے معنی سے کھیل میں نجانے کیوں اتنا مزہ آرہا تھا۔ گول گول گھومتی ہوئی کلیاں۔ کبھی دائرہ بنتا، کبھی ٹوٹ جاتا۔ اس کھیل سے اکتائی تو باقی کلیاں لے کر ابا کے پاس چلی آئی۔ کاکا کی مدد سے نہانے دھونے کے بعد خوب تازہ دم ہو کر وہ تسبیح کر رہے تھے۔ ماورا نے آنچل ان کے سامنے پھیلایا تو انہوں نے مٹھی بھر کلیاں اٹھا کر سینے پہ پھیلا لیں۔ کاکا جان کیاریاں درست کرتے ہوئے بڑی دیر سے اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہے تھے۔ معمول سے زیادہ وقت ہوا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

ماورا روش پہ چلتے چلتے ایک دم پلٹی تو کاکا بیگ لیے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"آؤ تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ آؤں۔" وہ اس کے گریز کی وجہ نجانے کیا سمجھ رہے تھے۔ ماورا ذرا سا ہنس دی۔

"میں چلی جاتی ہوں کاکا!" اس نے بیگ ان سے لیا اور دروازے سے باہر آگئی۔ کاکا جان دروازے میں کھڑے بہت دیر تک اسے سست قدم اٹھاتے دیکھتے رہے اور تب ہی پلٹے، جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

یونیورسٹی تک کا سارا سفر اس نے بہت بے دلی سے طے کیا تھا۔

"مجھے آج آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ ایک طویل سانس کھینچتی پوائنٹ سے اتری تو حسبِ معمول کوئی قدم سے قدم ملا کر اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ وہ ایک پل کے لیے حیران تو ہوئی مگر سر جھکائے چلتی رہی۔

"اسے دیر ہو گئی تھی یا اتنا وقت انتظار میں برباد کیا؟" یہ سوال بڑے شریر سے انداز میں نگاہوں کے سامنے ناچا۔

ہونٹوں پہ مبہم سی مسکراہٹ خود بخود آرکی تھی، دل میں گہرا اطمینان۔ ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

سیاہ پینٹ، اخروٹی رنگ کی شرٹ، سلیقے سے بنے ہوئے بال۔

کاکا کے پاس ہمیشہ ملگجے سے شلوار قمیص میں آیا کرتا تھا۔ بے ترتیب بال کنگھی سے بے نیاز، بس بات کرتے کرتے انگلیوں سے بال سنوار لیا کرتا تھا۔ پیروں میں ایک بدرنگ سی چپل ہوتی اور بس۔ یونیورسٹی میں ہمیشہ نک سک سے درست ہو کر آتا تھا۔ ماورا ہر بار ہی دیکھ کر چونک جایا کرتی۔ جب سے وہ یونیورسٹی آنے لگی تھی، دیر سویر بھی ہو جاتی تو پوائنٹ سے ہمیشہ اس

AreejaPakistaniPoint

کے ساتھ ہی اترا کرتا تھا۔ خدا جانے کب اور کس وقت سوار ہوتا تھا۔ ماورا کو کبھی خبر نہ ہو سکی تھی۔ بغیر کچھ کہے، بولے وہ چپ چاپ برابر برابر چلتے رہتے۔ ڈپارٹمنٹ میں پہنچ کر وہ اپنی کلاس میں داخل ہو جاتی، تب وہ راستہ بدل لیتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کبھی چڑتی، کبھی کلاس فیلوز کی معنی خیز نظروں سے خائف ہوتی مگر آج اس کے ساتھ چلنا برا نہیں لگا تھا۔

"چلو گھر سے باہر بھی نکلوں تو کوئی تو ہوتا ہے نا آس پاس۔" دل میں دوسراہٹ کا احساس جاگزیں ہوا تو موڈ خود بخود درست ہو گیا تھا۔

"سلیم! آج مجھے سینٹرل لائبریری جانا ہے۔" ڈپارٹمنٹ پہنچ کر اس نے گھڑی بھر کے لیے رکتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تھرڈ پیریڈ میں آجاؤں گا۔" سلیم نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

پروفیسر احمد ضیاء کا لیکچر حرف بہ حرف نوٹ کرتے ہوئے اسے اپنے اطراف میں بڑھتی ہوئی تاریکی کا قطعاً" احساس نہ ہوا تھا۔ آس پاس کی دبی دبی سرگوشیوں پر توجہ اس نے نہ پہلے کبھی دی تھی، نہ اس وقت دی۔ غیر معمولی صورت حال کا ادراک اسے اس وقت ہوا تھا جب بند دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور لڑکیوں کے منہ سے چیخوں کی دبی دبی آواز نکلی۔ گرد آلود ہوا کا تیز جھونکا پل بھر میں کمرے کے کونے کھدروں تک جا پہنچا تھا۔ اس نے ذرا سا سر اٹھایا اور پھر دم بخود رہ گئی۔ موسم کا اعتبار کبھی بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن ایسا موسم۔ اس کا دل سکڑ سمٹ کر سینے کے نجانے کس گوشے میں جا چھپا۔

پروفیسر صاحب نے موسم کے تیور دیکھ کر "انجوائے یور سیلف" کا نعرہ لگایا اور کلاس سے باہر لڑکے ہوا کرتے ان سے بھی آگے نکل گئے تھے۔ وہ فائل سینے سے لگائے لڑکیوں کے جمگھٹے میں باہر نکلی مگر کوریڈور سے باہر آتے ہی اس کے سارے حوصلے جواب دے گئے۔ اس کی اولین خواہش اس لمحے گھر پہنچنے کی تھی۔ دم بہ دم بڑھتی ہوئی ہولناک تاریکی میں بادلوں کی ہیبت ناک گرج چمک، آندھی کے زور سے مل کر چنگھاڑتے ہوئے طویل قامت درخت۔ لڑکیوں کے چہرے پہ پھیلتا خوف و ہراس، کوریڈور کے ستون سے لگی وہ زرد چہرے کے ساتھ ہولے ہولے کانپتی رہی۔ سینے پہ بندھے بازوؤں میں فائل یوں جکڑ رکھی تھی کہ انگلیوں کی پوریں سفید ہو رہی تھیں۔ آسمان سے پانی کی تیز بوچھاڑ زمین پہ اتر آئی تھی۔ ہوا کے زور سے سفیدے کے درخت کا کوئی ٹہنا چیخ کر زمین پہ آرہا تو بیسیوں منچلوں کی زوردار مصنوعی چیخوں نے ماحول کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ بارش سے بچنے کے لیے وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی مگر اسی پل نجانے کس طرف سے لڑکے لڑکیوں کا ایک بڑا سا گروپ بارش سے بچتا بچاتا کوریڈور میں آگیا۔ ان کی دھکم پیل سے وہ لڑکھڑائی تو پیچھے ہٹتے ہٹتے کلاس روم کے دروازے تک آگئی۔

"یا اللہ۔" بجلی کڑکی تو اس کا رہا سہا دم بھی نکل گیا۔ بمشکل لڑکھڑاتی ہوئی وہ کلاس روم میں داخل ہوئی اور پہلی کرسی پر گر گئی۔

"ابا۔۔۔ کاکا جان۔۔۔" اس کی سرگوشی سسکی بن کر لبوں سے خارج ہوئی تھی۔ بچپن سے یہ موسم اسے خوف کی انتہائی بلندیوں پر لے جا کھڑا کرتا تھا۔ چھوٹی تھی تو ابا کی گود میں چھپ جایا کرتی تھی۔ ذرا بڑی ہوئی تو لرزتے کانپتے دل کے ساتھ گھٹنوں میں سر دیے روتی رہتی۔ اب بھی آنسو ایک قطار میں آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"یا اللہ! آندھی رک جائے، بارش ختم ہو جائے میں گھر پہنچ جاؤں۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے گڑگڑا رہی تھی۔ یہ طوفان ایک آدم خور اژدھا تھا اور اس کے آس پاس پھنکار رہا تھا۔

"خوف زدہ ہو؟" مردانہ آواز اتنے قریب سے ابھری تھی کہ ایک پل کے لیے اس کے دل کی دھڑکن بھی ساکت ہو گئی تھی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھے بغیر ایک

اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا تھا۔

"تم تنہا تو نہیں ہو' نہ ہی کھلے آسمان تلے کھڑی ہو پھر اتنی خوفزدہ۔" اس نے تمام قوتیں مجتمع کرتے ہوئے بمشکل سر اٹھا کر دیکھا۔

وہ طویل قامت عین اس کے سامنے سینے پہ بازو باندھے کھڑا تھا۔ انداز بہت دوستانہ' لہجہ اپنائیت بھرا۔ یوں جیسے برسوں کا شناسائی ہو۔

سختی سے دانت بھینچتے ہوئے' سر جھکا کر اس نے دل سے سلیم کے آجانے کی دعا کی تھی۔

"میں سمجھتا تھا تم بہت بہادر ہو مگر۔"

"ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔" اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی۔

وہ ایک پل کے لیے خاموش ہو گیا۔

"تم نے اس روز بھی میری پوری بات نہیں سنی تھی۔"

"میں نہیں سننا چاہتی۔"

"کیوں؟"

"تم جانتی ہو' میں کتنے دنوں سے۔" وہ پنجوں کے بل اس کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ کوئی کھلی کھڑکی ایک دھماکے سے بند ہوئی تو وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہارون اسرار سر جھٹک کر دروازے میں جا کھڑا ہوا۔

"انسانوں سے بھی ڈرتی ہو اور موسموں سے بھی۔ کوئی دوست نہیں تمہارا۔ کسی سے بات کرنا تمہیں پسند نہیں۔ ماورا! کس بستی سے آئی ہو تم۔" وہ پلٹ کر اس سے پوچھنے لگا۔

"یہ میرے نام سے واقف ہے۔" اسے اپنا ساکت وجود بے حد کمزور محسوس ہوا۔

"اور وہ احمد کیانی! اسے تم کسی محل کی۔" وہ نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔

دھواں دھار بارش کا شور' کورس میں گانے کی آوازیں۔

وہ بہت کچھ کہہ رہا تھا اور ماورا کو کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ پلکیں جھپکے بغیر وہ اسے دیکھتی رہی۔

"فلرٹ کرنے کے لیے میرے سرکل میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود ہے۔ مجھے محض وقت گزاری کے لیے' عیاشی کے لیے تمہاری کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سبب کچھ اور ہے ماورا! جو مجھے تمہاری جانب کھینچتا ہے۔" وہ دروازے کے کھلے پٹ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"فار گاڈ سیک۔ چپ کر جاؤ' یہ سب جھوٹی باتیں۔ اوہ خدایا۔۔۔" اس کے ہاتھ پیر سنسنانے لگے تھے۔

"میں نے کبھی دانستہ تمہیں نہیں سوچا۔" وہ دو قدم آگے بڑھا۔

"نہ ہی میں جان بوجھ کر تمہارے راستوں میں آتا ہوں۔ یہ سب میرے لیے ایک نئی چیز ہے۔ میں خود نہیں جانتا' میں گھنٹوں لائبریری میں کیوں بیٹھا رہتا ہوں۔ تمہیں دیکھنے کی خواہش کیوں مجھے اپنے دوستوں سے بھی بیزار کر دیتی ہے۔ میں ایسا تو نہیں تھا پھر۔"

"خربوزے۔ لے لو' خربوزے۔" کوئی پاٹ دار آواز دروازے کے بے حد قریب ابھری تھی۔ زرد لباس پہنے ایک لڑکی بے تحاشا ہنستی ہوئی کلاس روم میں آئی تو ان دونوں کو دیکھ کر ایک پل کے لیے ٹھٹکی اور پھر سامنے کھڑکی میں جا بیٹھی۔ اس کے پیچھے ایک اور گروپ اٹھکیلیاں کرتا کمرے میں آیا تھا۔

کہہ رہا ہے دل او جاناں

بے ہنگم آوازیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ ہارون اسرار لب بھینچے کھڑا تھا اور وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے۔

"کس نے کیا دیکھا اور کیا سوچا ہو گا؟" وہ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے جانے کو تھی' جب ہارون اسرار کے عقب سے ایک چہرہ نمودار ہوا۔ متلاشی نگاہوں میں بے قراری تھی۔

"سلیم!" اس کے وجود میں جیسے کوئی نئی روح پھونک دی تھی اس کی آمد نے۔ اسے پکارتے ہوئے وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی تھی۔

"کہاں تھے تم۔۔۔ کتنی دیر سے۔" اس کی آواز

Aneela PakistaniPoint

رندھ گئی۔ کچھ بولا ہی نہ گیا تو اسی تیزی سے وہ اس کے ساتھ باہر آگئی۔

"بارش ہی رکنے میں نہ آرہی تھی۔ اب ذرا کم ہوئی تو میں بھاگم بھاگ۔"

"یہاں نہیں، آگے چلتے ہیں۔" ماورا نے اسے وہیں کھڑے ہوتے دیکھ کر اس کی بات کاٹی۔

"ابھی بارش تیز ہے، ہم گھر نہیں جاسکیں گے۔" سلیم کو اس کی جلد بازی پر حیرت ہوئی۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے کوریڈور کے آخری سرے پہ جا کھڑی ہوئی تھی۔

بارش کا زور پہلے سے ٹوٹ چکا تھا۔ تاہم تیز ہوا کے ساتھ آتی بارش کی بوچھاڑ اسے بھگوئے دے رہی تھی۔ اسے پہلے کی طرح ڈر نہیں لگا۔ اس طوفان سے زیادہ خطرناک طوفان وہ تھا جسے وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

"تم بہت دیر سے آئے تھے سلیم! مجھے اس سے بہت ڈر لگنے لگا تھا۔" اس کی مدھم آواز سلیم بمشکل سن پایا تھا۔

"کس سے؟" سلیم نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا تو وہ ایک پل کے لیے چونک گئی۔

ہارون اسرار کی تیز نگاہوں نے جس سرعت سے سلیم کو جالیا تھا، وہ ماورا سے چھپی نہ رہ سکی تھیں۔ اس کے دیکھنے کا انداز، ماورا کو بے اختیار جھرجھری سی آگئی۔

"کس سے ڈر لگ رہا تھا ماورا!" سلیم دوبارہ پوچھنے لگا۔

"موسم سے۔" بارش کا کڑوا پانی آنکھوں میں بھر گیا تھا۔ اس نے ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگالی۔

* * *

سلیم اسٹاپ سے گھر تک اس کے ساتھ ہی گیا تھا۔ گھر کا دروازہ کھلا دیکھا تو سلیم کو اندر آنے کی آفر کیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی وہ غائب دماغی سے اندر داخل ہوئی۔ بارش ابھی بھی ہو رہی تھی مگر باریک بوندوں کی شکل میں۔ روش اور اس کے برابر سبز قطعے بارش کے گدلے پانی تلے چھپ چکے تھے۔ وہ معمول سے دو ڈھائی گھنٹے لیٹ آئی تھی مگر یہاں انتظار کی وہ بے چینی نہ تھی جو اس کے خیال میں ہو سکتی تھی۔ ایک لحاظ سے یہ بھی بہت بہتر تھا۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں وہ بہت کچھ سوچ کر اتنا ہلکان ہوئی تھی کہ اب کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رہی تھی۔

یہ ہلکی پھلکی بارش بھی اسٹاپ سے گھر تک اسے پوری طرح بھگو چکی تھی، اس لیے بغیر کسی تکلف کے کھڑے پانی میں چھپاک چھپاک قدم رکھتی وہ برآمدہ عبور کرکے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ دروازہ بند کرکے، گیلے کپڑوں سے چھٹکارا پاکر وہ چارپائی پہ گر گئی۔ تب اسے احساس ہوا کہ جسم سرد ہو رہا ہے۔ ذرا سی دیر کے بعد ہلکی سی کپکپی طاری ہونے لگی تو نہ چاہنے کے باوجود اس نے اٹھ کر الماری سے چادر نکالی اور اپنے اوپر ڈال کر لیٹ گئی۔

"نہ سلام کیا نہ کلام اور آکر یہاں پڑ گئی۔ کاکا جان بھی کیا سوچیں گے، یہ نہ ہو میری تلاش میں اسٹاپ تک ہی جا نکلے ہوں۔ ابا کو بھی شکل نہ دکھائی۔ بے چارے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" غنودگی میں جاتے جاتے اس کے دماغ نے غوطہ کھایا تو چادر ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔

"آہ۔" بدن ٹوٹ رہا تھا۔ وہ ذرا دیر کے لیے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔ دماغ میں کیا کھچڑی سی پک رہی تھی، رہ رہ کر کچھ یاد آرہا تھا۔ کوئی ادھورا فقرہ، کوئی مکمل بات۔ دھواں دھار بارش کے شور میں اس کا مدھم لہجہ، گیلی مٹی کی خوشبو میں رچی بسی کسی قیمتی پرفیوم کی مہک۔

اس نے سر جھٹک کر جیسے ایک ایک پل کو بھول جانے کی کوشش کی۔

"کس مشکل میں ڈال رہا ہے یہ مجھے۔ نجانے کون ہے، کیا چاہتا ہے۔" وہ چارپائی سے اتر کر اپنی چپل ڈھونڈنے لگی۔

"ہاں۔ اکیسویں صدی میں محبت کی باتیں کرتا ہے، انجانے جذبوں کا شکار۔ معلوم نہیں خود بے وقوف ہے یا مجھے بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔" اس نے سیاہ انگوٹھے کی چپل پیروں میں پھنسائی۔

"ایسا نہ ہو پہلی ملاقات کا بدلہ لے رہا ہو۔" سختی سے بولی تھی۔ "اگر کبھی کوئی بدتمیزی کر ڈالی تو۔" وہ بری طرح فکر میں گھری تھی۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی پہلی شکل کاکا جان کی دکھائی دی تھی۔

"آگئی ہو بنو! جاؤ باورچی خانے میں، کھانا کھالو۔" ان کا انداز عجلت بھرا تھا۔ اتنا کہہ کر باہر کو لپکے تو وہ حیرت سے انہیں دیکھتی باورچی خانے میں آگئی۔

"خبر نہیں، کن چکروں میں ہیں۔ بھول ہی گئے کہ بنو اتنی دیر سے گھر آئی ہے۔ شدید موسم کا شکار، کیسے پہنچی، کب آئی؟" وہ تو ہزار سوالوں کا جواب دینے کو تیار تھی مگر یہاں تو پرواہی نہ تھی۔

وہ باورچی خانے میں آگئی۔

صبح ناشتے کے بعد اب شام ہو رہی تھی کہ وہ کچن میں آئی تھی۔ بھوک لگ رہی تھی، سو دل نہ چاہنے کے باوجود چند لقمے تو کھانے ہی تھے۔ اس نے مختلف برتن اٹھا کر دیکھے۔ سب کے سب خالی، دوپہر کا بچا کھچا بھی نہ تھا۔ اسے حیرت کے ساتھ قدرے پریشانی بھی ہوئی۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا۔ کاکا گھر میں کوئی دال، سبزی بگھار کر چاول ابال لیا کرتے یا چپاتی ڈال لیا کرتے تھے پھر آج۔۔۔؟

اسے ایکدم ہی ان کا پریشان سا چہرہ نظر آیا پھر نجانے جی میں کیا آئی کہ لپک کر ابا کے کمرے کی طرف بھاگی۔ دھیان آیا کہ باورچی خانے میں دلیے کا پیالہ جوں کا توں دھرا ہے۔

"صبح سے اب تک کھایا کیوں نہیں؟ یا اللہ طبیعت ٹھیک ہو ان کی۔" کمرے کا بند دروازہ ٹھک سے کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو ابا اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ابا! آپ ٹھیک تو ہیں نا، اس طرح کیوں لیٹے ہیں۔" وہ عجلت میں ان کی طرف لپکی مگر ان کی نظریں بدستور دروازے پر جمی تھیں۔

"ابا!" اس نے قریب ہو کر ان کا بازو ہلایا۔

ساکت پلکوں میں ذرا جنبش نہ ہوئی تھی، لب خاموش، وجود ساکت۔

"ابا!" اس نے قدرے بلند آواز سے پکارتے ہوئے زور سے انہیں جھنجوڑا مگر حرکت مفقود تھی۔ کسی انہونی کے ادراک کا چابک دل و دماغ پر لہرایا تو وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔ تب اسے احساس ہوا۔ ابا کے چہرے پر زندگی کی کوئی رمق نہ تھی۔ پیلی پھٹک رنگت، آنکھوں کی پتلیاں جامد۔

"نہیں۔۔۔ میرا وہم ہے، دھوکا ہے۔" وہ الٹے قدموں باہر کو بھاگی تو اندر آتے کاکا جان سے ٹکرا گئی تھی۔ ایک زوردار چیخ اس کے لبوں سے خارج ہوئی اور وہ لڑکھڑا کر کمرے سے باہر آگئی۔

"کاکا۔۔۔ ابا۔۔۔ میرے ابا۔۔۔" اس نے بے یقین لہجے میں انہیں کچھ بتانے کی کوشش کی۔

"صبح سے طبیعت خراب ہے بھائی جان کی، یہاں شور مت کرو۔" کاکا نے قدرے پریشان لہجے میں اسے ڈانٹ دیا۔

"نہیں کاکا۔۔۔ ابا۔۔۔ آہ۔۔۔" اسے لگا روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

کاکا جان نے ازحد حیرت سے اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا۔

"کیا ہو رہا ہے تمہیں؟"

"ابا مر گئے، مجھے لگتا ہے ابا مر گئے۔" ٹوٹی پھوٹی سانسوں میں اس نے بہت مشکل سے کہا۔

"کیا۔۔۔؟ پاگل ہوئی ہو کیا۔" کاکا دھاڑتے ہوئے کمرے کی طرف بھاگے۔

وہ برآمدے میں سینے پہ ہاتھ رکھے جھکتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر وہ زندہ ہے تو اسے سانس کیوں نہیں آ رہی۔ زور زور سے سینے میں دم توڑتی سانس کو کھینچتے ہوئے وہ گرتی پڑتی کمرے کی طرف بھاگی کہ کاکا جان کی دلدوز چیخوں نے اس کے سارے واہموں، خدشوں کی تصدیق کر دی تھی۔ وہ

دہیں گھٹنوں کے بل فرش پہ گر گئی۔

"آہ۔ بھائی جان۔۔۔ ماورا! بھائی جان مر گئے' ماورا! بھائی جان مر گئے۔" وہ اپنا سر پیٹتے باہر آئے۔ ماورا کو لگا اس کا دل نکلا جا رہا ہے۔

"نہ روئیں کاکا! اس طرح مت روئیں۔" ڈوبتی آواز کے ساتھ وہ بمشکل چیخی۔ اسے رونا نہیں آ رہا تھا۔ اسے ڈر لگ رہا تھا اور کاکا جان کے روتے کرلاتے بین اس کا دل بند کر رہے تھے۔

"ہم یتیم ہو گئے بچو! گھر بکھر گیا۔ ہمارا سایہ چھن گیا بچو! ہم تنہا رہ گئے۔" وہ اپنے بال نوچتے نوچتے دیوانے ہو رہے تھے۔

"کوئی ہے۔۔۔ ارے دیکھو' ہم ایک بار پھر اُجڑ گئے۔ دل نوچ لیا ہمارا۔" وہ سینہ کوبی کر رہے تھے۔

"کاکا!" وہ پوری قوت سے چلائی۔

کاکا آہ و زاری کرتے بیرونی دروازے تک جا پہنچے تھے۔

"کاکا! مجھے چھوڑ کر نہ جائیں' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ اٹھ کر ان کے پیچھے بھاگی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے کاکا! رک جائیں' میرے پاس آجائیں۔ آہ۔۔۔" راہ میں نجانے کس چیز سے ٹھوکر کھائی تھی کہ وہ منہ کے بل کئی قدم آگے جا کر گری۔ جانے چوٹ آئی تھی یا نہیں مگر چاروں جانب پھیلے ملگجے سے اندھیرے پر گھور تاریکی اس طرح غالب آئی تھی کہ پھر اسے کچھ سجھائی نہ دیا۔

بہت دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔

کتنی ہی دیر تک ایک عجیب و غریب کیفیت نے اسے اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ احساسات تک منجمد تھے۔ نہ پوری طرح دکھائی دے رہا تھا' نہ سنائی۔ دماغ کچھ بھی سوچنے سے قاصر پھر رفتہ رفتہ کوئی احساس جاگا۔ چہرے پہ قطرہ قطرہ پانی گر رہا تھا۔ اس نے بمشکل بند پپوٹوں کو حرکت دی۔ آس پاس تاریکی بھی بے حد گہری اور خاموش تھی۔ اس نے اپنے ساکت وجود کو حرکت دینا چاہا تو احساس ہوا اس کے اردگرد بہت سا پانی جمع ہے اور اس پانی میں پڑا اس کا وجود شاید حرکت کرنے سے محروم ہو چکا ہے۔

"کیا یہ کوئی خواب ہے' میں کہاں ہوں؟" اس کا سویا ہوا ذہن بیدار ہونے میں نہ آ رہا تھا۔ تبھی کسی چیونٹے نے یکلخت کیاری کے پانی میں ڈوبی اس کی بے جان کلائی پہ اپنے دانت گاڑے تو وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو رہی تھیں۔ اپنی کلائی مسلتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ غائب' چپل ندارد۔

"کیا میں سوتے میں یہاں آ گئی تھی۔" اسے کچھ یاد نہ آ رہا تھا۔

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ صرف ابا کے کمرے میں روشنی تھی اور وہ ان ہی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ برآمدے کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھتے ہی وہ ذرا سا چونک گئی۔

"ماورا! ہم یتیم ہو گئے۔" صدمے سے چور آہ و بکا فضا میں گونجی تو اس کے وجود میں ہلکا سا چھناکا ہوا۔ یوں جیسے کانچ کی بہت ہی نازک سی چیز زمین پہ گر کر ہزار ریزوں میں بٹ جائے۔ اس چھناکے سے اس کے ذہن پہ چھایا جمود یونہی ٹوٹ کر بکھرا تو ساتھ ہی کوئی روتی کرلاتی آواز سماعتوں میں جاگ اٹھی' وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

کھلے دروازے سے اندر کا منظر واضح تھا۔ ابا دروازے پر نگاہیں ٹکائے وہیں تھے' کچھ بھی خواب نہ تھا' سب کچھ حقیقت تھا۔ بھیانک' بے رحم اور سفاک حقیقت۔

وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر چیخی تو زمین و آسمان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

❋ ❋ ❋

اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا بھی تو یوں کہ آس پاس کہیں کوئی روشنی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو کم از کم اسے دکھائی نہ دے رہی تھی۔

رات گئے اس کی چیخ و پکار سن کر آس پاس کے چند

Aneela Pakistani Point

لوگ وہاں نہ آتے تو نجانے کیا ہو جاتا۔ شاید اس گھر سے انہیں ایک کے بجائے دو لاشیں اٹھانی پڑتیں۔ ڈر، خوف، صدمے سے اس کی حالت اتنی دگرگوں تھی کہ ایک کونے میں سمٹی وہ پہلے جیسی ماورا لگ ہی نہ رہی تھی۔ آنے والے پوچھ رہے تھے۔

"کسی رشتے دار، دوست، عزیز کا پتہ۔۔۔ کوئی تو ہو جسے اطلاع کی جا سکے۔" وہ ٹکر ٹکر ان کا منہ دیکھتی رہی۔ کس کا کہتی، کون سا پتہ بتاتی۔

"کاکا جان کو ڈھونڈو، وہ کہاں چلے گئے، ان کا پتا چلاؤ۔ وہی سب کچھ تھے، ہر رشتہ ان ہی سے تھا، کہاں کھو گئے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں مجھے تنہا چھوڑ دیا۔" وہ بلک بلک کر روتی رہی۔

کوئی کرن ایسی نہ تھی جو اس کے آس پاس کے بڑھتے ہوئے اندھیروں کو کاٹ سکتی۔ وہ رو رو کر تھک چکی، تب خیال آیا۔

"سلیم۔۔۔ مگر اس کا اتا پتا خدا جانے۔" وہ تیز بخار میں پھنکتی گرتی پڑتی اٹھی۔ سلیم کا نام اور ڈپارٹمنٹ لکھ کر دیا۔

"یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، کاکا جان کے بعد بس اسی سے واقفیت ہے۔"

"میں جانتا ہوں اسے۔ اکثر آتے جاتے دیکھا ہے۔" کوئی ایک وہ چٹ پکڑ کر فوراً روانہ ہو گیا۔

"کاکا جان! خدارا لوٹ آئیے، غیروں کے ہاتھ ابا کو قبر میں ڈالیں گے، میرے آنسو پونچھیں گے۔ کیسا لگے گا کاکا۔۔۔ ہم ہمیشہ مل کر روئے تھے، اب کیسے تنہا چھوڑ دیا مجھے آپ نے۔" وہ سسکتی ہوئی ابا کی چارپائی کے پاس آ بیٹھی۔

رات سے وہ اس بے جان وجود سے خوفزدہ تھی مگر اب وہ خوف درد میں ڈھل گیا تھا۔ "ابا میرے پیارے ابا۔۔۔ کس مفلسی میں دن کاٹے آپ نے اور کس خاموشی سے مر گئے۔ میرا انتظار بھی نہ کیا۔ جاتے سے کچھ باتیں تو کرتے مجھ سے۔" وہ ان کے ہاتھ چوم کر بے آواز روتی رہی۔ وہ لب جن پر ہمیشہ ایک صبر آمیز مسکراہٹ رہتی تھی، بالکل خاموش تھے۔ آنکھیں جو اس سے ہزار باتیں کہتی تھیں، ہر جذبے سے عاری تھیں۔ ان کا کمزور، لاغر وجود جھریوں زدہ نرم ہاتھ اور دکھوں کی گرد سے اَٹے سفید بال۔ وہ بار بار آنسو پونچھتی انہیں غور سے دیکھتی رہی۔

"آج کے بعد یہ چہرہ دیکھنا کہاں نصیب ہوگا۔"

کوئی تیز رفتاری سے قدم اٹھاتا قریب آیا تھا۔

"آ گیا۔۔۔ سلیم آ گیا۔۔۔"

ماورا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ دل گرفتگی سے ابا کی چارپائی پہ جھکا نم آنکھوں سے بغور ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"جوان! بہت دیر ہو چکی ہے۔ جلد از جلد کفن دفن کا انتظام کرو۔" کسی نے کہا تھا۔

ماورا نے ابا کا ہاتھ بھینچ کر لبوں سے لگا لیا۔

❁ ❁ ❁

دھوپ اتنی تیز تھی کہ درختوں کی جڑوں کو گرمائے دے رہی تھی۔ ننھی چڑیاں کیاری میں جمع پانی میں پھلا پھلا کر نہاتیں اور پھر اڑ کر درختوں کی شاخوں میں جا چھپتیں۔ ایک پیاسی چڑیا اپنی پیلی چونچ کھولے حوض کنارے کھڑی تھی۔ بارش کے پانی کی باس نئی سبز گھاس کی جڑوں میں ابھی بھی موجود تھی۔ روش کے کناروں کی بوسیدہ اینٹیں تیز دھار بارش سے اکھڑی ہوئی تھیں اور روش کے دوسرے سرے پر دروازے کی لکڑی مزید خستہ ہو گئی تھی۔

برآمدے کی سیڑھیوں کے سامنے لگی اینٹوں کے بیچوں بیچ سبزہ خود بخود سر اٹھا رہا تھا۔ سلیم نے تادیر اس پر نگاہ جمائے رکھنے کے بعد جیسے کسی سوچ کے خانے تک پہنچ کر طویل سانس لی اور پھر مڑ کر ماورا کو دیکھنے لگا۔ گزشتہ چند روز سے وہ گونگی بوا کے رحم و کرم پر تھی۔ دن میں وہ خود چکر لگا لیا کرتا، رات کو بوا اس کے پاس سو جاتی۔ ان چند دنوں کی بے خوابی اور بخار نے اسے کافی متاثر کیا تھا۔ گہری سوچ اور تفکر نے آنکھوں کے گرد حلقے سے ڈال دیے تھے۔

"کاکا جان کا کہیں کچھ پتہ نہیں چلا۔" اس نے

آزردہ سی چپ کو توڑنے کی کوشش کی۔ ماورا نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

"بہت سے لوگوں سے پوچھا ہے، بہت سی جگہوں پر گیا ہوں مگر۔"

"مجھے ڈر ہے، انہیں کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو۔ انہیں خبر تھی کہ ابا کے بعد مجھے ان کی کتنی ضرورت ہے۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا سلیم کہ وہ جانتے بوجھتے کہیں چلے گئے ہوں۔" وہ انتہا درجہ پریشانی کے عالم میں سر تھامے بیٹھی تھی۔ گونگی بوا کب تک اس کا ساتھ دے سکتی تھیں۔ آج نہیں تو کل وہ ساتھ چھوڑ جاتیں، تب۔۔۔؟ وہ بے چین ہو کر پیشانی مسلنے لگی۔

"اگر کاکا جان نہ آئے سلیم! خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن فرض کرو اگر کاکا جان نہ آئے تو میرا کیا ہوگا، میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟" سو فکر، پریشانیاں اس کی جان سے لپٹی تھیں۔ ہزاروں خدشوں، واہموں نے اسے ہلکان کر رکھا تھا۔

"کیا مجھے دارالامان جانا پڑے گا لیکن میں، میں وہاں کیسے رہوں گی سلیم!" بے بسی کے شدید احساس نے اسے رلا دیا۔

سلیم چپ چاپ بیٹھا ہونٹ کاٹتا رہا۔ وہ یقیناً اس سے مدد کی خواہاں تھی مگر وہ خود ایک کمرے کو چار لڑکوں میں بانٹ کے رہنے والا۔

"کیا مدد کروں میں اس کی، کیسے۔" وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے بیٹھا تھا۔ کاکا جان کے بڑے احسانات تھے اس پر۔ اس گھڑی احسانوں کا بدلہ نہ چکاتا تو احسان فراموش کہلاتا۔

"ماورا! تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"آہ۔۔۔" ماورا کے دل پر خنجر کی طرح لگا تھا یہ جملہ۔ میری کم مائیگی کہ خود اس کے سامنے دستِ سوال دراز کر بیٹھی ہوں۔ اب انکار کی جرات ہے نہ رد کرنے کا حوصلہ۔

"کہاں؟" اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہے ایک جگہ۔ اس سے بڑھ کر جائے پناہ تمہارے لیے اس وقت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

❁ ❁ ❁

بڑے سے بازار کی قدرے تنگ اور تاریک گلی جس کے اوپر دھوپ، بارش اور سردی سے بچنے کے لیے کہیں ترپال، کہیں ٹین اور کہیں سرکنڈوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔ اس گلی میں بیسیوں دکانیں تھیں۔

پرچون کی، منیاری کی، دودھ دہی کی، پان کی اور درزیوں کی دکانیں اور ان ہی دکانوں جیسی تیسرے درجے کی انسانی مخلوق اپنے مدقوق چہروں اور زرد آنکھوں سمیت اس کے آس پاس ہنس رہی تھی، بول رہی تھی۔

ماورا کو ایکدم سانس لینے میں دشواری سی محسوس ہونے لگی تو ہاتھ میں پکڑے بیگ پر اس کی گرفت کمزور پڑ گئی۔

"لاؤ، یہ مجھے دے دو۔" سلیم نے آگے بڑھ کر بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور خود اسی گلی میں چائے والے کی دکان کے ساتھ اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ جن پر پہلا قدم رکھتے ہی اس کی ٹانگوں میں لرزش سی اتر آئی تھی۔

"اس اندھیر نگری کا اختتام جانے کہاں ہوگا۔" خستہ حال سیڑھیوں پہ بہت سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گول گول انداز میں گھومتی، اوپر کو جاتی سیڑھیاں تاریکی میں غرق تھیں۔

تب ہی اس کے عقب سے دھڑدھڑ سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی۔ اس نے دیوار پر ہاتھ جما کر پلٹ کر دیکھا۔

کوئی لڑکی تھی، دوپٹہ لاپروائی سے گلے میں پڑا تھا، ہاتھ میں دودھ کا برتن پکڑے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالتی وہ ان کے برابر سے ہو کر آگے نکلی اور پھر لمحوں میں چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی۔ ماورا نے حیرت سے اس لڑکی کو اور پھر سلیم کو دیکھا جو آخری سیڑھی پہ

یقیناً اسی کا منتظر کھڑا تھا۔

سیڑھیوں کا خاتمہ ڈیوڑھی نما کمرے میں ہوا تھا جس کے فرش پہ پانی چھڑکا ہوا تھا اور اس کی نم آلود ٹھنڈک میں دو لڑکیاں کھڑی با آواز بلند قہقہے لگا رہی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر وہ اچکدم ہی خاموش ہو گئیں مگر سلیم انہیں مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ماورا اس کی تقلید میں جس کمرے میں داخل ہوئی، وہاں کے نیم تاریک ماحول میں بلب کی زرد روشنی ناکافی لگ رہی تھی۔ کمرے کے دائیں طرف کچھ جستی ٹرنک پڑے تھے، جن پر کپڑوں کا ڈھیر تھا۔ کچھ کپڑے استری شدہ حالت میں کھونٹی سے لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر لکڑی کے سیاہ فریم میں کچھ تصویریں ٹنگی تھیں، جن کے شیشے دھندلا چکے تھے۔ بائیں طرف نواڑی پلنگ پہ ایک عورت بیٹھی اپنے بال بنا رہی تھی۔ باہر کی جانب کھلنے والی دونوں کھڑکیاں بند تھیں اور کمرے میں سیلن زدہ سی تنہائی کی باس منڈلاتی پھر رہی تھی۔

سلیم نے اس کا بیگ رکھتے ہوئے اسے ایک خالی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور خود ایک میلی سی تپائی پر ٹک گیا۔ وہ عورت کئی لمحوں کی حیرت کے بعد چونکی تو فوراً ہی کنگھا پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے بال بکھر کر اس کے سینے پہ آ گئے تھے اور دوپٹہ پلنگ پہ پڑا رہ گیا تھا اور وہ خود ایک عجیب ہی سرخوشی کے عالم میں آگے بڑھی اور دونوں ہاتھوں میں سلیم کا چہرہ تھام کر اپنے کپکپاتے ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھ دیے تھے۔

ماورا نے ازحد حیرت سے اس عورت کو اور پھر بیزاری و اکتاہٹ کے ساتھ سلیم کو اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے دیکھا۔

"بس ٹھیک ہے۔" اس نے قدرے رکھائی سے اس عورت کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹائے۔

"یہ ماورا ہے۔ کچھ دن یہیں رہے گی۔ بہت ہی شریف اور معتبر گھرانے سے اس کا تعلق ہے۔ پڑھائی کے سوا کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ اب مجبوری آن پڑی ہے سو۔"

وہ اس کی بے بسی و بے چارگی کی کہانی سنانے جا رہا تھا۔

ماورا کے حلق میں نمکین آنسوؤں کا گولہ سا اٹک گیا۔

"کل تک سب کچھ تھا میرے پاس۔۔۔ گھر، سائبان، نگران، محافظ۔۔۔ اور آج۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ ایک معذور باپ اور ایک بے شناخت سے انسان نے کس مضبوط حصار میں لے رکھا تھا مجھے۔ ابا تو اجل کے سامنے مجبور ہو گئے۔ مگر آپ نے میرے ساتھ کیا کیا کاکا!" گرم گرم آنسو اس کے گال بھگو گئے تھے۔

سلیم دروازے سے باہر نکل گیا اور سلیم جاتے جاتے اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ ہاں جب عورت اس کے پاس آ کر بڑی شفقت سے اس کا سر سہلانے لگی۔ کچھ اور لڑکیاں اس کے آس پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ تو وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر زار و قطار رو دی تھی۔ اس کے ارد گرد سب لوگ اجنبی تھے۔

اور وہ خود۔۔۔ اکیلی تھی۔

❁ ❁ ❁

"پہلے قلم کھو گیا۔۔۔ اور پھر قلمکار، آج بیس دن ہو گئے ہیں کہ کاکا جان کا کہیں کچھ پتا نہیں چلا۔ سلیم اس دن سے سڑکوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے مگر حاصل وصول کچھ نہیں۔ خدا جانے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ ابا کے مرنے کا سانحہ ایسا ہی جاں گسل ہوتا تو سب سے پہلے میں دیوانی ہو کر کہیں کھڑی ہوتی۔ ہاں، کوئی پرانا زخم کھل گیا ہو گا۔ درد بس سے باہر ہوا اور وہ ہوش گنوا بیٹھے۔ ہائے کاکا! کہاں سے ڈھونڈ دوں آپ کو۔ کیسی چھپر چھایہ تھا آپ کا وجود کہ دھوپ کی ہلکی سی تپش کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔ اور اب دیکھیے۔ کہاں آن پڑی ہوں۔۔۔" اس نے بھاری ہوتے سر کو بمشکل حرکت دیتے ہوئے اپنی جلتی آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔

زمانی بیگم اپنے پلنگ پہ بیٹھی تھیں۔۔۔ تیسری منزل

Aneela Pakistanipoint

کے اس کمرے کی بیرونی کھڑکی کھلی تھی۔ باہر آسمان سیاہ تھا اور ہوا تیز۔

رات بہت بیت چکی تھی۔ سو کمرے میں ہلکی سی خنکی بند کمرے میں بھی محسوس ہو رہی تھی شام سے اس حبس زدہ کمرے میں بند ہو کر، پنکھے کی گھر گھر سنتے ہوئے اس نے کوئی ہزار بار ابا اور کاکا جان کے بارے میں سوچا تھا۔ جہاں کہیں سوچ کا سلسلہ ٹوٹتا۔ وہ آنکھیں کھول کر زمانی بیگم کو دیکھنے لگتی۔

وہ دونوں ہاتھ گود میں دھرے بے حد خاموش بیٹھی تھیں۔ اور نگاہیں کھڑکی سے باہر آسمان پر کچھ کھوج رہی تھیں۔

ماورا کو یاد آیا۔ وہ اسے اپنی کہانی سنا رہی تھیں اور انہوں نے کہا تھا۔

"سلیم میرا اکلوتا بیٹا ہے۔" اس نے سنا تھا وہ سن کر سوچ میں ڈوب گئی۔

"آپ نے کہا تھا سلیم آپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔" ماورا کے کہے پر وہ بری طرح چونکیں تو اسے خیال آیا کہ انہوں نے بہت دیر پہلے یہ بات کی تھی اور نہیں معلوم وہ اپنی کہانی کو کس موڑ پر لے جا کر چپ ہوئی تھیں۔

"ہاں، سلیم میرا اکلوتا بیٹا ہے۔" وہ خود بھی سوچ کے لمبے سفر سے پلٹ کر آئی تھیں۔ جوڑ جوڑ میں تھکن سی محسوس ہوئی تو نیم دراز ہو کر رخ اس کی طرف موڑ لیا۔

"پہلے میں ریڈیو پہ سنگیت کرتی تھی۔ پرانا زمانہ تھا پھر وقت بدلا تو حالات اور زمانے بھی بدل گئے۔۔۔ پیٹ پالنے کو نجی محفلوں میں گانے لگی۔ بیٹا سال کا ہوا تو شوہر مر گیا۔ ان دنوں تنہائی سے گھبراہٹ ہونے لگی تو اپنے استاد تفضل حسین کو ان کی بیٹی سمیت اپنے پاس لے آئی، استاد صاحب بوجہ ضعف چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ یہیں ایک کمرے میں چاہنے والوں کو تربیت دینے لگے۔ ایک ہمارے طبلہ نواز کی بیٹی تھی نرگس۔ ہم دونوں محفلوں میں جاتیں جو ملتا، مل بانٹ کر کھا لیتے۔ پھر استاد صاحب چل بسے۔ ان کی بیٹی بھی میرے پاس نہ رہی۔ تب دو چار لڑکیوں کو اپنے پاس رکھ لیا۔ ان ہی سے گوانے لگی۔ سلیم ہمیشہ ہر محفل میں میرے ساتھ جایا کرتا تھا۔۔۔"

"اور سلیم نے ایک مرتبہ کہا تھا، میرے گھر والے دیہات میں رہتے ہیں اور میں بغرض تعلیم یہاں شہر میں۔۔۔ یا اللہ! لوگ جھوٹ بھی بولتے ہیں تو کس صفائی سے۔" اس نے کروٹ بدلی اور بازو موڑ کر سر کے نیچے رکھ لیا۔

"پھر خبر نہ ہوئی سلیم کب بڑا ہو گیا۔ اندر، باہر جانے لگا تو کچھ اچھی بری بھی کانوں میں پڑی ایک روز کہنے لگا۔

"ماں! یہ گانا بجانا چھوڑ دو۔۔۔"

میں ہنس دی اور کہا۔

"جس روز تو کما کر کھلانے والا بنے گا، اس روز چھوڑ دوں گی۔" میں نے تو بات مذاق میں ٹالی تھی۔ مجھے خبر ہی نہ ہو سکی۔ کب وہ آٹھ سے اٹھارہ سال کا ہو گیا۔۔۔ ایک صبح سامان باندھ کر کمرے سے نکلا اور کہنے لگا۔

"ہاسٹل میں رہ کر پڑھوں گا۔ اگر کبھی راہ چلتے ملاقات ہو تو بیٹا کہہ کر مت پکارنا۔۔۔ مجھے ماں کہتے ہوئے شرم آئے گی۔"

وہ کہہ کر چلا گیا۔۔۔ میں بت بنی بیٹھی رہ گئی۔۔۔ دو سال اس شہر سے باہر گزرے۔۔۔ لوٹ کر آیا بھی تو میری دہلیز پہ قدم نہیں رکھا۔ میں نے بھی دل مار لیا۔ خود "بوبو" بن کر گھر میں بیٹھ جاتی تو جو چار، چھ گھر میں رکھ چھوڑی تھیں۔ انہیں کہاں سے کھلاتی۔۔۔ ایک کی ماں فلم کی ایکسٹرا تھی۔ شوٹنگ کے دوران پہاڑی سے گر کر مر گئی۔ بیٹی روتی دھوتی میرے پاس آ گئی۔ ایک کسی لڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ کر آئی تھی۔ لڑکا یہاں آ کر غائب اور یہ میرے ہتھے لگ گئی۔ دو یتیم خانے میں پلی بڑھی تھیں انہیں وہاں سے نکال کر یہاں لے آئی۔

یہ چاروں شادی بیاہ پہ جا کر گاتی ہیں۔ ماہیے، ٹپے، فلمی گانے۔ اچھے گھروں کی شریف عورتیں خود بلاتی ہیں انہیں۔ غزل کے لیے تہمینہ کو لے کر جاتی ہوں۔ اس کی آواز میں سوز بہت ہے۔ لوگ اپنے اپنے غموں

روتے ہیں جس پل وہ گا رہی ہو۔ اس کی لے پر شام
تھکنے لگتی ہے اور رات آنسوؤں سے نم ہو جاتی
ہے۔ اس بے چاری کا دل ٹوٹ چکا ہے۔ سر میں درد نہ
جھلکے تو اور کیا ہو۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرے مالک! کیسے کیسے
لوگوں سے بھر دی ہے یہ کائنات۔۔۔ کیا کیا غم نہیں ملتے
دیکھنے کو۔"

انہوں نے طویل سانس لی اور کروٹ بدل کر چند
لمحے بڑبڑاتے رہنے کے بعد خاموش ہو گئیں۔

اس ایک عورت کی کہانی، کئی کہانیوں میں بدل کر
رات کے سیاہ سینے پہ کندہ ہو گئی تھیں۔ ماورا چت لیٹی
ان کہانیوں کو اپنی نگاہوں سے ٹٹولتی رہی۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے؟" کوئی کانٹا سا دل میں چبھا تو
وہ اٹھ بیٹھی۔

"کسی بہت ہی اپنے کو خود سے کاٹ کر الگ کر دینا۔
اس کے وجود کی مکمل نفی کرنا محض اس لیے کہ جو کچھ وہ
کر رہا ہے، وہ ہمیں اور ان لوگوں کو پسند نہیں جن کے
درمیان ہم رہ رہے ہیں۔"

زمانی بیگم کی گہری سانسوں کی سرسراہٹ کمرے کی
خاموشی میں ہلکورے لے رہی تھی۔ وہ چپکے سے اٹھی
اور کمرے کا دروازہ کھول کر وہیں دہلیز پہ بیٹھ گئی۔

"اور کاکا جان کہا کرتے تھے۔۔۔ "تمہارا باپ سیّد
زادہ تھا۔ اور اس نے شادی اس لڑکی سے کی جو ناٹک
کرنے کے لیے شہر شہر گھوما کرتی تھی۔ نتیجتاً گھر
کے سب دروازے اس پر بند، ماں نے دودھ نہ بخشنے کی
قسم کھالی اور باپ نے اپنی ساری بددعائیں اس کے نام
لکھ دیں۔"

"اور ان دعاؤں نے تاعمر میرے باپ کا ساتھ نبھایا
تھا۔۔۔" ابا کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تو آنکھ ایک بار
پھر بھر آئی۔

"ساری عمر صبر شکر سے کاٹ لی مگر مفلسی کا عالم تو یہ
تھا کہ مرتے ہوئے کسی اپنے کا کندھا بھی نصیب نہ
ہوا۔" اس نے نڈھال ہوتے ہوئے اپنا سر دروازے
کی چوکھٹ سے ٹکا دیا۔

رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ اس کے سامنے
ڈیوڑھی اور چکر کھاتی سیڑھیوں پہ سناٹا دم سادھے پڑا
تھا۔

تیسری منزل گھپ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔
ہوا سبک رفتار ہو چکی تھی۔ اور قریب کے کمرے سے
ہولے ہولے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔

زمانی بیگم سوتے میں ایک دم ہی
تھیں۔ ماورا اپنی جگہ پر چونکی اور پھر دروازہ بند کر کے
چپ چاپ واپس آ لیٹی۔

* * *

سورج کب کا نکل چکا تھا۔ وہ بہت دیر تک اکڑوں
بیٹھی زمانی بیگم کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ اور پھر
انہیں بے سُدھ دیکھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔
برآمدے میں تین چارپائیوں پہ چادروں میں لپٹے وجود
ابھی تک گہری نیند میں غرق تھے۔ وہ چارپائیوں کے
درمیان کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ کروٹ بدلتے
ہوئے ایک لڑکی نے چادر ہٹا کر ایک پل کے لیے خمار
آلود آنکھوں سے اسے دیکھا۔۔۔ اور پھر غڑاپ سے چادر
کے اندر غائب ہو گئی۔

سیڑھیوں پہ کسی کے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ
محتاط انداز میں قدم اٹھاتی برآمدے سے نکل کر چھوٹے
کھلے آسمان تلے آ گئی، جسے صحن کہا جا سکتا تھا۔ کافی دیر
بعد ایک لڑکی کا چہرہ سیڑھیوں سے نمودار ہوا۔ گوری
رنگت۔۔۔ سیاہ بال اونچے سے جوڑے کی شکل میں
باندھے ہوئے تھے۔ چہرے کے اطراف میں بکھری
ہوئی چند آوارہ لٹوں میں اس کا چہرہ بہت خوبصورت
لگ رہا تھا۔

پانی سے بھری ہوئی بالٹی بمشکل اٹھا کر ایک سیڑھی
سے دوسری سیڑھی تک رکھتے ہوئے وہ بالآخر اوپر پہنچ
ہی گئی تھی۔ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھ کر سانس ہموار کرتے
ہوئے اس کی نظر ماورا پر پڑی تو فوراً" مسکرا کر اس کی
طرف آ گئی۔

"اٹھ گئیں تم۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ پانی کہیں اور سے لانا پڑتا ہے؟"

Nuzhat Nasreen Pakistan Point

"کئی ماہ سے نل خراب ہے۔ مالک مکان کہتا ہے' خود سے ٹھیک کراؤ۔ اور ہمارے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ جا کر دوسری منزل سے پانی لے آئیں۔ آؤ پہلے تم منہ ہاتھ دھولو۔ میں بعد میں نہالوں گی۔۔۔" اس نے بالٹی اٹھا کر غسل خانے میں رکھی جس کے دروازے پر صرف پردہ لٹک رہا تھا۔

ماورا اس عنایت پر اس کا شکریہ ادا کرتی غسل خانے میں چلی گئی۔ فارغ ہو کر باہر نکلی تو وہ لڑکی باقی لڑکیوں کو جگانے کی تگ و دو کر رہی تھی۔ کسی کا پاؤں ہلا کر کسی کی چادر کھینچ کر وہ نہانے چلی گئی۔ ماورا کچھ پل وہاں کھڑی رہی۔ پھر دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ زمانی بیگم کے جاگنے کے ابھی تک کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اپنی چارپائی پہ بیٹھ کر یونہی کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ تب کافی دیر بعد وہ لڑکی نہا دھو کر گیلے بال جھٹکتے ہوئے آئی۔

"تم میرے کمرے میں آ جاؤ۔"

ماورا چپل پہن کر اس کے پیچھے چلی آئی۔ اس کا کمرہ زمانی بیگم کے کمرے سے کہیں بہتر حالت میں تھا پلنگ پہ بچھی چادر ہلکے رنگوں کی' صاف ستھری اور بے شکن تھی۔

"میں ناشتے کا کہہ کر آئی تھی۔ لڑکا آتا ہی ہو گا۔ تب تک تم یہ بسکٹ کھالو۔" اس لڑکی نے الماری کھول کر بسکٹوں کا ڈبہ نکالا اور پلیٹ میں بسکٹ ڈال کر اس کے سامنے رکھ دیے۔

"میرا نام تہمینہ ہے۔" وہ آئینے کے سامنے جا کر کنگھی کرنے لگی۔

"یہاں پر دو ہی کمرے ہیں؟" ماورا نے کسی سوچ کے زیر اثر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔"

"باقی لڑکیاں کہاں رہتی ہیں؟"

"میرے کمرے کے علاوہ پورے گھر میں رہتی ہیں۔" تہمینہ ذرا سا ہنسی پھر کنگھا رکھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"میرے اور ان کے مزاج میں بہت فرق ہے ماورا! میرے لیے ان کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہے۔ اس کمرے کے بدلے مجھے ان تینوں کے برابر کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔"

ماورا کے حلق میں پہلا بسکٹ ہی پھنسنے لگا تھا۔

"اس ڈربے میں تمہاری گنجائش کہاں نکلے گی ماورا؟" اس نے بے بسی سے سوچا اور پلیٹ پرے کھسکا دی۔

تہمینہ نے کچھ کہے بغیر اس کے اترے اترے چہرے کو دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنی کچھ چیزیں سمیٹنے لگی۔

تب ہی باہر سے کسی نے آواز لگائی تھی۔ ماورا بری طرح چونکی جب کہ تہمینہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ واپس آئی تو ایک ٹرے میں حلوہ پوری اور چنے کا ناشتہ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"رات بھی تم نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ لو اب آرام سے بیٹھ کر کھاؤ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے تہمینہ! تم نے خوامخواہ زحمت کی۔"

"بھوک کیسے نہیں ہے۔ اور اب نہیں لگی تو تھوڑی دیر بعد لگ جائے گی۔۔۔" وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔

یہ پیٹ کا کنواں ہے پیاری۔۔۔ جیتے جی کبھی نہیں بھرتا۔۔۔ دل بجھ جاتے ہیں روح مرجاتی ہے مگر بھوک نہیں مرتی۔ تمہارا تو صرف باپ مرا ہے ماورا! مجھے دیکھو۔۔۔ سب کچھ کھو چکی ہوں۔ پھر بھی پیٹ بھر کر کھاتی ہوں۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کے لیے ہنس ہنس کر نوالے بنانے لگی۔

ناشتہ کرنے کے بعد ماورا اس کے کہنے پر وہیں لیٹ گئی تھی۔

رات بہت کم سونے کی وجہ سے سر بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔ لیٹنے کے کچھ ہی دیر بعد اس پر ہلکی ہلکی غنودگی سی چھانے لگی تھی۔

"تہمینہ! ماورا کو جگاؤ۔ ناشتہ کر لے۔" زمانی بیگم کی آواز ماورا کو کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی

تھی۔

"ناشتہ کر چکی ہے وہ۔"

"سنو تہمینہ! اگر برا نہ مانو تو کیا تم اسے اپنے کمرے میں رکھ سکتی ہو۔؟ تم جانتی ہو نا؟ یہ سلیم کی مہمان ہے۔ میں نہیں چاہتی۔۔۔ اسے ہمارے پاس کوئی تکلیف ہو۔"

"آپ بے فکر رہیں آپا! یہ میرے پاس رہے گی۔"

ان دونوں کی بات چیت کے دوران ہی نیند اس کے ذہن پر پوری طرح غلبہ پا چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

بہت سے تعزیتی جملے۔ بہت سا اظہارِ افسوس۔۔۔ مغفرت کی بہت سی دعائیں۔ آج کئی دنوں بعد اسے اپنا غم ایک بار پھر تازہ ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کامن روم میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ فائنل ائیر کے تمام طلباء و طالبات آئے تھے۔ وہ سر جھکائے۔ نم پلکوں سے ان سب کی باتیں سنتی رہی۔ صبر کی تلقین۔۔۔ تسلیم و رضا کی نصیحت۔۔۔ وہ ایک ایک کی بات پر اثبات میں سر ہلاتی رہی۔

پھر رفتہ رفتہ سب لوگ اٹھتے گئے۔ کامن روم تقریباً" خالی ہو رہا تھا۔ وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں پونچھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تب ایک لڑکا اس کے قریب آیا۔

"میرا نام احمد کیانی ہے۔ فائنل ائیر میں ہوں۔ یہاں ڈرامیٹک سوسائٹی کا رکن ہوں اور یونیورسٹی کے سالانہ میگزین کا ایڈیٹر بھی ہوں۔ آپ کے والد صاحب کا سن کر بہت دکھ ہوا' اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ہم آپ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔" وہ لڑکا بے حد شائستہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"آپ بہت دنوں کے بعد یونیورسٹی آئی ہیں۔ اگرچہ اتنا آسان تو نہیں ہوگا' مگر کوشش کر کے اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ اس سے آپ کا ذہن بٹ جائے گا۔ اور ہاں میں یونیورسٹی کا بہت بیبا سا اسٹوڈنٹ ہوں۔ لڑکیوں کو کوئی بھی مشکل درپیش ہو بلا جھجک اس کیانی کو یاد کر لیتی ہیں۔ آپ کو خدانخواستہ کبھی کوئی پرابلم ہو تو مجھے یاد رکھیے گا۔ ہو سکتا ہے میں آپ کے کسی کام آسکوں۔" احمد کیانی رواں لہجے میں بہت سادگی سے بولتا تھا اور یہ ہی سادگی بولنے والے کو سب سے پہلے متاثر کرتی تھی۔

"شکریہ۔۔۔ اگر ایسا کوئی موقع آیا تو میں ضرور زحمت دوں گی۔"

"اوکے۔۔۔ پھر میں چلتا ہوں۔ اور ہاں۔۔۔" وہ الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ دروازے کی طرف جاتے جاتے پلٹا۔ اور پھر اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہارون اسرار آپ کے بارے میں بہت پوچھتا رہا۔ میرا خیال ہے اسے آپ کے والد کے انتقال کی خبر نہیں ہو سکی ورنہ وہ ضرور آتا۔ گزشتہ دو دن سے وہ بھی یونیورسٹی سے غائب ہے۔"

ماورا خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"بھلا اس شخص کو کیا ضرورت ہے اس خصوصیت سے اس کا ذکر کرنے کی؟"

احمد کیانی جا چکا تھا۔ اس نے بمشکل دو کلاسز لی تھیں۔ تقریباً" ڈیڑھ ماہ بعد یونیورسٹی آنے کے بعد آج پہلے دن اس کا دل کسی طور کتابوں میں نہ لگا تو وہ جلد ہی واپس چلی گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

صبیحہ' نائلہ اور ارم شادی پر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ آج مہندی تھی۔ لڑکے والے آرہے تھے۔۔۔ لڑکی والوں کی خاص تاکید تھی۔

"بھرپور تیاری کر کے آنا' مقابلہ ہار گئے تو ایک اٹھنی نہ ملے گی۔"

گانوں کی انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ سینکڑوں کیسٹیں جمع تھیں ان کے پاس۔ 'دن رات' چلا چلا کر سنا کرتی تھیں۔ ایک سے ایک نیا گانا ازبر تھا۔ اب تو بس کپڑے لتے' میک اپ کی فکر تھی۔ تاکہ کسی سے کم نظر نہ آئیں۔ نائلہ ابھی ابھی تہمینہ سے اپنے

Aneela Pakistanipoint

سوٹ کا ہم رنگ کفتہ مانگ کر نکلی تھی۔ زمانی بیگم، ارم پر خوب برس رہی تھیں۔ نائلہ کی کھی کھی جاری تھی۔

"اور چڑھاؤ لسی کے گلاس پر گلاس، کہاں نکلے گی آواز تمہاری۔ پھٹا ہوا بانس، ہزار بار پہلوان سے کہا ہے یہ کھٹی میٹھی چیزیں ہمیں راس نہیں آتیں۔ مگر وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ ہے۔"

"تہمینہ! یہ گجرے بالوں میں سیٹ نہیں ہو رہے۔" صبیحہ تہمینہ کے سامنے آکر بیچ گئی تھی۔

"اور تو بھی سن لے۔ پچھلی بار کی طرح مرے ہوئے ہاتھوں سے ڈھولک تھاپی تو پھر دیکھنا سچ مچ ٹنڈی کر کے بٹھادوں گی ہاں۔" زمانی بیگم نائلہ کی طرف پلٹیں تو کھی کھی کرتے ہوئے آخری فقرے پہ وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

زمانی بیگم کتنے پل غصیلی نظروں سے اسے گھورتی رہیں اور پھر یکدم سے ان کی ہنسی نکلی تو وہ چھپا نہ سکیں۔ نائلہ کے قہقہے مزید آزاد ہو گئے تھے۔ ارم اور صبیحہ ان کا موڈ خوشگوار ہوتے دیکھ کر چہکنے لگیں۔ سرخ مہندی سے رنگے ہوئے ہاتھوں میں ڈھیروں ڈھیر چوڑیاں پہن کر وہ ہنستی کھلکھلاتی نیچے اتر گئیں۔ پیچھے پیچھے زمانی بیگم تھیں۔ ان کی آوازیں کچھ دیر تک گھر میں گونجتی رہیں، پھر ایک دم ہر طرف سناٹا سا اتر آیا تھا۔

تہمینہ جانے کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ماورا ان تینوں کی پھیلائی ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگی۔

"ماورا! چھت پر چلیں؟" تہمینہ نے اچانک کہا تو وہ چونک گئی۔

"چھت پر۔۔۔؟"

"ہاں، میں اکثر جایا کرتی ہوں آؤ۔۔۔" تہمینہ نے اٹھ کر لکڑی کی سیڑھی دیوار سے لگائی۔

نیچے کے حبس زدہ ماحول کی نسبت اوپر کی کشادہ فضا بہت دلفریب لگ رہی تھی۔ آسمان ان کے اوپر جھکا ہوا تھا اور چاند اتنا قریب کہ ہاتھ بڑھا کر چھو لینے کو دل چاہے۔ تہمینہ بازو پھیلائے، چہرہ اوپر کیے، سبک رفتار ہوا کی ٹھنڈک کو محسوس کر رہی تھی۔

ماورا کو اس بلندی سے شہر کو دیکھنے کا موقع پہلی بار ملا تھا۔ وہ چھت کے بیچوں بیچ کھڑی دور دور تک شہر کی جلتی بجھتی روشنیوں کو دیکھتی رہی۔

"اتنی روشنیاں ہیں شہر میں کاکا! آپ کو کن اندھیروں نے نگل لیا کہ واپسی کا راستہ ہی بھول گئے۔" اس کے دل میں ہوک سی اٹھی تو وہ اداس ہو کر منڈیر پر بیٹھ گئی۔

"مجھے یہ خاموشی اور سکوت بہت اچھا لگتا ہے۔ اتنی آزاد فضا ہے یہاں کی۔ دل چاہتا ہے اڑان بھروں، اور سیاہ آسمان کی وسعتوں میں کہیں کھو جاؤں۔" تہمینہ کہہ رہی تھی۔

"اور ان روشنیوں سے سجے آباد گھروں سے بہت دور۔۔۔ کچے راستے پر ایک کھنڈر مکان ہے جو چند روز پہلے میرا گھر ہوا کرتا ہے۔ وہاں کوئی روشنی نہیں اور میں اس تاریکی میں بھی کلیوں کے جھنڈ کے پاس بہت سے جگنوؤں کو اڑتا ہوا دیکھ رہی ہوں۔ دم سادھے درختوں کی شاخوں میں چھپے پرندوں کی اداس بولیاں مجھے یہاں بھی سنائی دے رہی ہیں۔" وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

"ننھی چڑیوں کا کٹورا خالی ہو گا۔ حوض کے پانی پر کائی جم گئی ہو گی اور سبز رنگ پر پیلاہٹ اتر آئی ہو گی۔"

دھیرے دھیرے بہتی ہوئی رات اس کے آنسوؤں سے نم ہونے لگی تو تہمینہ اس کے پاس آبیٹھی۔ بالکل خاموش، چپ چاپ نہ کوئی تسلی نہ دلاسا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی رو دھو کر چپ ہو گئی۔ آنسوؤں سے تر چہرہ دوپٹے سے اچھی طرح خشک کر کے اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ بالکل ساکت اور خاموش بیٹھی تھی۔

ماورا نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"زمانی بیگم بتا رہی تھیں کہ تم غزل بہت اچھی گاتی ہو۔ کیا واقعی؟"

"شاید۔۔۔" تہمینہ نے مختصر سا جواب دیا۔

Aneela Pakistani Point

"مجھے سناؤ گی؟"

"تم سنو گی۔۔۔؟" اس نے الٹا اسی سے پوچھا تو ماورا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش رہی پھر بہت دھیرے دھیرے اسے سنانے لگی۔

یہ دل، یہ اُجڑی ہوئی چشم نم، یہ تنہائی
ہمارے پاس تو جو بھی ہے مال درد کا ہے
اسیر ہے میری شاخ نصیب پت جھڑ میں
میرے پرندہ ء دل پر بھی جال درد کا ہے
ہم اس کو دیکھتے جاتے ہیں، روتے جاتے ہیں
یہ صحن شب میں پڑا ہے جو تھال درد کا ہے

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ چاندنی تہمینہ کے نم گالوں پر بوسہ دینے زمین پر اتر آئی تھی۔ اس کی آواز وائلن کے سروں سے مشابہ تھی۔ دردناک دل کی دھڑکنوں کو جگاتی ہوئی۔ زمانی بیگم نے اس کے متعلق کچھ بھی غلط نہ کہا تھا۔

اب اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں رکھنا
یہ بات طے ہوئی لیکن سوال درد کا ہے
وہیں کہیں کسی گھاٹی میں تیرا ہجر بھی ہے
میرے لہو سے جہاں اتصال درد کا ہے

"تمہاری آواز میں سوز بہت ہے۔" وہ چپ ہوئی تو ماورا نے بے اختیار کہہ دیا، تہمینہ ہولے سے ہنس دی۔

"سارا وجود ہی سوز میں ڈھل گیا ہے پیاری! ریشے ریشے میں غم بستا ہے۔ میر شعر کے پردے میں غم دل کہتا تھا میں نے گائیکی کی آڑ لے لی۔"

"محفلوں میں گانا کیسا لگتا ہے تہمینہ!" ماورا دل کی بات زبان پر لے آئی تھی۔

"محفل مجھ پہ نشہ طاری کر دیتی ہے ماورا! بہت سے لوگوں کے درمیان میں وہ سب کہہ جاتی ہوں جو کسی سے کہہ نہیں سکتی۔ اور مزے کی بات، اس پل کوئی میرے دکھ کو سمجھ نہیں پاتا۔ خود ہی کہتی ہوں پھر خود ہی سسکنے لگتی ہوں۔" تہمینہ نے اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا۔ اس کے وجود کی ہلکی سی لرزش ماورا سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

"پچھتاوا میرے اندر پنجے گاڑے بیٹھا ہے ماورا! سوچتی ہوں، میں نے کیا کیا تھا؟ کس کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑا۔۔۔؟ ہاتھ میں سوئی بھی چبھ جاتی تو ماں باپ، بھائی بہنیں بھاگ کھڑے ہوتے تھے مگر میں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ اور اپنے ساتھ۔۔۔ اب رات رات بھر روتی ہوں کوئی آنسو پونچھنے کو نہیں ملتا۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"وہ خود تو بہت مزے میں ہو گا نا ماورا! مجھ جیسی کوئی اور مل گئی ہو گی۔ ہم نادان لڑکیوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے۔ کسی نے محبت کے دو چار بول بولے اور ہم نے اپنا آپ رول ڈالا اس کے لیے۔۔۔ ہا۔۔۔" اس نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"محبت کے راستے میں کوئی قدم نہ رکھے پیاری! محبت دکھ دیوے ہے۔ مار ڈالے ہے۔ زندگی بھر کا روگ ہووے ہے۔ چار دن کا کھلواڑ ہے رے اور بس۔۔۔" وہ ایک دم لہجہ بدل کر بولی اور پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"نائلہ ایسے ہی بولتی ہے اور مجھے اس کا بولنا بہت اچھا لگتا ہے۔" عام سے انداز میں بات کرتی تہمینہ دوبارہ سے اپنے خول میں سمٹ گئی۔

ماورا کی آنکھوں میں جانے کیوں ایک چہرہ بار بار سامنے آتا رہا۔

عشق میں چند چمکتے ہوئے پل
بیت جانے تھے بس بیت گئے

تہمینہ چھت پر ٹہلتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ ماورا گھٹنوں پہ سر رکھے اپنی سوچوں میں گم ہو گئی۔

"یونیورسٹی کا کوئی گوشہ ایسا بھی ہو گا جہاں یہ شخص میرے پیچھے نہ آ سکے۔" وہ ہارون اسرار کو اپنے مقابل بیٹھے دیکھ رہی تھی۔

"لائبریری، کیفے ٹیریا۔۔۔ سیمینار روم، وہ کہاں کہاں سے کترا کر نکلتی تھی۔ مگر کہیں نہ کہیں بے تاب نگاہوں میں بہت سی ان کہی لیے وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا تھا۔

Aneela PakistaniPoint

"میری طرف دیکھو۔ میری آنکھوں میں جھانکو۔ کیا تمہیں میری باتوں میں، میرے جذبوں میں کوئی سچائی نظر نہیں آتی۔" وہ جیسے اس کی سنگ دلی پہ حیران تھا۔ ماورا نے ساری توجہ کتاب کی طرف مبذول کرنی چاہی مگر وہاں بھی تو یہ لفظ تحریر تھا۔ اس نے کتاب بند کی اور سیاہ جلد پر یونہی لکیریں سی کھینچنے لگی۔

"لوگ کہتے ہیں لڑکیاں، ہارون اسرار پر مرتی ہیں۔ اور یہ کہتا ہے کہ مجھے تم جیسی کوئی دوسری دکھائی نہیں دیتی۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

وہ نجانے کیا کیا کہتا رہا۔ رت جگے کی اذیتیں۔ کج ادائی کا زخم، بے قراری کی تپش، اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ غلط نہ کہہ رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا میں کن راستوں پر قدم رکھ چکا ہوں۔ مجھے نہیں خبر یہاں سے واپسی کا کوئی راستہ ہے بھی یا نہیں۔ مگر یہ کسک جو محبت کی دین ہے۔ مجھے جاں سے بھی عزیز تر ہے۔" وہ پوری سچائی سے کہہ رہا تھا۔

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب!
ابھی حیات کا ماحول خوشگوار نہیں

"مت گھسیٹو مجھے اپنے ساتھ کانٹوں پر۔ ابھی اتنا درد سہنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔" وہ کتابیں سمیٹنے لگی۔

"تم بات کیوں نہیں کرتیں ہو مجھ سے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"کیا بات کروں میں تم سے؟ جو کچھ تم مجھ سے کہتے ہو ان میں سے کسی بات کا جواب میرے پاس نہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماورا! تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔" وہ اس کے پیچھے چلا آیا۔ تب وہ اس کی طرف پلٹی۔

"کیا چاہتے ہو۔۔۔؟ کیا بات کروں میں تم سے۔۔۔؟" وہ بہت سادہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تم کہتے ہو تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ ٹھیک ہے کرتے رہو محبت۔۔۔ اس میں میرا نقصان کیا ہے؟ لیکن جواب میں مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس کے بے تاثر لہجے پر ہارون کا چہرہ ایک پل کے لیے متغیر ہوا۔

"کیا میں بھی تم سے ویسی ہی محبت کا دعوا کروں جیسی تم مجھ سے کرتے ہو۔۔۔؟ لیکن میرے لیے تو یہ ممکن نہیں ہے۔۔۔ پھر۔۔۔؟ کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے ساتھ محبت کا راگ الاپوں، جب کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔۔۔" ماورا کو خود معلوم نہ تھا کہ وہ اتنی کٹھور بھی ہو سکتی ہے۔

وہ لب بھینچے چپ چاپ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"محبت کا راستہ میرے لیے بنا ہی نہیں ہے ہارون اسرار!" وہ سر جھٹک کر بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے پلٹی۔

"میں جن خارزاروں میں الجھی ہوں۔ وہاں محبت کی گنجائش نہیں نکلتی۔ ابھی تو میں خود زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں۔ اپنا آپ بھائی نہیں دیتا تمہارے لیے کہاں سے سوچوں۔۔۔؟" وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی اس سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔

"دستک ان دروازوں پر دی جاتی ہے جن کے کھلنے کی امید ہو۔ میں جن بند کواڑوں کے پیچھے رہتی ہوں۔ وہ وقت اور حالات کے ہاتھوں سیل ہو چکے ہیں۔ میں چاہوں بھی تو انہیں تمہارے لیے نہیں کھول سکتی۔"

❋ ❋ ❋

"چھوٹے۔۔۔ ارے او چھوٹے۔۔۔ کتنی دیر سے تجھ کو دو چائے کا بولا ہے رے۔۔۔ دیوے گا کہ میں خود آؤں نیچے۔" نائلہ کی پاٹ دار آواز تیسری منزل سے گونجی تو ہر کوئی ہڑبڑا کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ڈھلتی شام کی گلابی میں وہ دیوار سے لٹکی براہ راست اپنے پیغامات نیچے بازار میں بھجوا رہی تھی۔

"پر اتنا یاد رکھیو پہلوان جی! نائلہ خود آئی تو جرمانے میں پاؤ بھر مٹھائی ساتھ لے جاوے گی۔"

"آ۔۔۔ آ۔۔۔" زمانی بیگم نے نائلہ کو کمرے دبوچا تو سیدھا چارپائی پہ لا پٹخا تھا۔

"ہائے۔۔۔ کیوں موری پتلی کمریا پر اتنا ظلم ڈھاوے ہے جالم۔۔۔ کوئی چک مک پڑ گئی تو بدبخت پرودیو سر قلم

میں کسی کبڑی ہیروئن کا چانس بھی نہ دیوے گا۔" اس کی کھلکھلاہٹیں بڑی جاندار ہوتی تھیں۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ آنکھوں سے ہمہ وقت چھلکا کرتی وہ ماورا کو پُرجوش زندگی کی بے حد خوبصورت اور نٹ کھٹ مثال لگتی تھی۔

"ایکٹرا بنے گی ماں کی طرح۔" زمانی بیگم 'ارم' سے ساڑھی کی فال درست کروا رہی تھیں۔

"اور اسی کی طرح پہاڑی سے کود کر مرے گی۔" صبیحہ نے لقمہ دیا۔

"ارے جا۔ نائلہ 'ماں جیسی پاگل نہ ہووے۔ چالیس کے پیٹے میں آئے ہیرو کے ساتھ پہاڑی پہ چڑھ کر بس وہی ٹھمکے لگاوے۔" وہ چارپائی پہ اوندھی ٹانگیں ہلاتی بڑے اطمینان سے جواب پہ جواب دیے جا رہی تھی۔ تب ہی کسی بچے نے آخری سیڑھی سے جھانک کر آواز لگائی تو نائلہ اچھل کر بھاگتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔

"پہلوان جی نے کہا ہے۔ نائلہ جی سے کہنا پاؤ بھر مٹھائی جرمانے میں بھجوا رہا ہوں' اب نیچے آ کر اپنا کہا پورا کریں۔" رٹو طوطے نے جواب دیا۔

"کیا۔؟" زمانی بیگم کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ہزار بار بولا ہے' اپنی حد میں رہا کرو۔ اب دیکھ لیا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کسی روز یونہی پاؤ بھر مٹھائی کے بدلے تجھے اپنی تجوری میں بند کر لے گا وہ بدمعاش۔ ابھی پوچھ کر آتی ہوں اس سے۔" وہ سیڑھیوں سے کھٹ کھٹ کر کے اترتے ہوئے بھی بڑبڑا رہی تھیں۔

"اب ہوش آویں گے پہلوان جی کو۔" نائلہ مزے سے برفی چائے میں ڈبو کر کھانے لگی تھی۔

"تم کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔ یہ تو ان کے روز کا ڈرامہ ہے۔" تہمینہ نے اسے ٹوکا تو وہ ذرا سا مسکرا دی۔

"آج ہم ایک محفل میں جا رہے ہیں ماورا! آپا کہہ رہی تھیں' تمہیں بھی ساتھ لے چلوں۔"

"دل نہیں چاہ رہا۔ تم لوگ ہو آؤ۔" اس نے بڑی آسانی سے اسے ٹال دیا۔ مگر زمانی بیگم اس کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھ کر اس کے پیچھے ہی پڑ گئیں۔

"ذرا دیر کو دل بہل جائے گا بچی! چلی چلو۔ تمہارا یوں گم صم رہنا دل کو ذرا نہیں بھاتا۔ ان لڑکیوں کو دیکھو۔ کہاں کی آسودگی دیکھی ہے انہوں نے۔ پھر بھی ہنستے کھیلتے دن بتا رہی ہیں۔ چلو تیار ہو جاؤ شاباش۔" ان کے اپنائیت بھرے انداز پر وہ مزید انکار نہ کر سکی تو اٹھ کر تہمینہ کے پاس چلی آئی۔

"ان دونوں میں سے کوئی ایک سوٹ پہن لو۔" تہمینہ نے سیاہ اور سفید رنگ کے سوٹ نکال کر اس کے سامنے لہرائے۔

"کون سا پہنوں؟"

"میرا خیال ہے سیاہ رنگ مجھ پہ جچے گا اور سفید رنگ میں تم پیاری لگو گی۔"

تہمینہ نے ایک ادا سے کہا تو ماورا نے سفید سوٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

* * *

جس پل وہ تینوں وہاں پہنچیں آسمان کے کنارے سیاہ پڑنے لگے تھے۔ گلابوں سے مہکتی شام رنگا رنگ روشنیوں میں ڈوب گئی تھی اور ان روشنیوں میں گھرے زندگی کے غموں سے بے نیاز' پرنور' خوش باش چہرے ماورا کو ایک پل کے لیے اتنے خوبصورت لگے کہ وہ مبہوت رہ گئی۔

"ارے مجھے تو خبر ہی نہ تھی۔ دنیا اتنے رنگوں' اتنی خوشبوؤں' اتنی خوبصورتیوں سے بھری ہوئی ہے۔" اسے اپنا آپ ایک ایسے بچے کی طرح لگا جس نے اس حیرت کدے میں ابھی ابھی آنکھ کھولی ہو۔

تہمینہ اسے ساتھ لے کر کونے کی میز پر جا ٹکی تھی۔ زمانی بیگم ادھر ادھر کے لوگوں میں جان پہچان ڈھونڈنے لگیں۔ وہ تہمینہ کے ساتھ حیران حیران سی رنگِ محفل دیکھتی رہی۔ کھانا' پینا' ہنسنا بولنا سب ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

ذرا دیر بعد زمانی بیگم خود ہی اسے لینے چلی آئیں۔

"یوں کونے میں چھپ کر بیٹھنے سے کیا خاک مزہ آئے گا۔ آؤ میں تمہیں کچھ لوگوں سے ملواتی ہوں۔" وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ لے گئیں۔

"یہ فاروق صاحب ہیں، ہمارے بہت بڑے قدر دان۔ ان کے گھر کی کوئی محفل آج تک ہمارے بغیر نہیں سجی۔" وہ بڑے فخر سے بتا رہی تھیں۔

"اور یہ ماورا ہے فاروق صاحب! ہماری بیٹی۔"

فاروق صاحب کے عقب میں کوئی بجلی کی سی تیزی سے پلٹا تھا۔ ماورا کی نگاہ ایک پل کے لیے اس جانب اٹھی تو پھر کئی لمحوں کے لیے پلٹنا بھول گئی تھی۔

فاروق صاحب غالباً کچھ کہہ رہے تھے۔ اس کی عائب دماغی پر زمانی بیگم نے ٹھوکا دیا تو وہ تیزی سے سر جھکا گئی۔

"خوبصورت تو تہمینہ بھی ہے زمانی بیگم! لیکن ماورا کے مقابلے کی نہیں۔ انہیں کب سنوارتی ہیں۔ بلکہ آپ کہیں تو کل ہی ایک محفل۔۔۔" فاروق صاحب بڑی بے تکلفی سے کہہ رہے تھے۔ ان کی بات سن کر زمانی بیگم گڑبڑا سی گئیں۔

"نہ جی۔۔۔ اسے غزل کا کوئی شوق نہیں۔ یہ تو کتابوں کی رسیا۔۔۔" زمانی بیگم انہیں ٹال رہی تھیں۔۔۔ مگر جو کچھ اس کے بارے میں کہا جا چکا تھا۔ اس کا ردِعمل ان شرارا اگلتی آنکھوں میں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔

"کاش۔۔۔ کاش۔۔۔" اس کے دل سے خواہش ابھری تھی۔

"کاش۔۔۔! میں نے زمانی بیگم کی بات نہ مانی ہوتی۔ کاش! میں یہاں نہ آئی ہوتی۔ یا پھر "وہ" نہ آیا ہوتا۔"

زمانی بیگم آگے بڑھ گئیں۔ وہ ان سے معذرت کر کے وہیں ایک کرسی پر ڈھے گئی۔ "بھلا مجھے کیا ضرورت ہے پروا کرنے کی۔"

تہمینہ غزل سنانے کے لیے اسٹیج پر جا چکی تھی۔ اس نے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہا۔ مگر نگاہ بھٹک بھٹک کر اس تک جاتی رہی، جس کے چہرے پہ ٹھہرے گداز تاثرات کو ایک پل میں پتھریلی سنجیدگی میں ڈھلتے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے، میں جو بھی ہوں۔۔۔ جیسی بھی ہوں۔ اسے اس سے کیا غرض؟" اس نے خود کو ٹال کر غزل سننے کی کوشش کی۔

"کیا سوچا ہوگا اس نے میرے بارے میں۔۔۔؟" تھک ہار کر ایک سوچ پھر سے اس کے ذہن پہ غلبہ پانے لگی تو اس نے خود کو جھٹک دیا۔

"یہ کن اندیشوں میں گھری ہوں۔۔۔ جب اس سے کوئی تعلق، کوئی واسطہ نہیں رکھنا تو پھر ڈر کیسا۔؟ خوف کیونکر۔۔۔؟"

"وہ محبت کرتا ہے تم سے۔۔۔ اپنے دل میں کس بلندی پر بٹھا رکھا ہوگا اس نے تمہیں۔ اور اب۔۔۔؟" یہ پتا نہیں کون اس کے آس پاس بول رہا تھا۔

"یہ محبت و جبت کا خناس میرے دل میں کہاں سے آسمایا۔۔۔؟" اس نے اپنا سر جھٹکا اور اٹھ کر قریب رکھی کرسی پر آ گئی۔

تہمینہ دوسری غزل شروع کر چکی تھی اور اس کی آواز کا طلسم جیسے سب لوگوں پر سحر پھونک گیا تھا۔ میزبان کی طرف سے تمام خواتین کو گجرے پیش کیے جا رہے تھے۔ بھرپور کھلی ہوئی مہکتی کلیاں اس تک پہنچیں تو نگاہ بے اختیار ہی اس نیم تاریک گوشے کی طرف اٹھ گئی۔ جہاں وہ سر جھکائے، تلخ کافی گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتار رہا تھا۔

مجھ سے ملنے کے وہ کرتا تھا بہانے کتنے
اب گزارے گا میرے ساتھ زمانے کتنے

ماورا کی آنکھیں جھلملا سی گئیں۔ ان آنکھوں کا تنفر ایک پل کے لیے یاد آ کر معدوم ہو گیا تھا۔ تہمینہ کی آواز دل کی آواز سے ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ وہ نم پلکوں کے ساتھ گجرے کا ایک ایک پھول توڑتی رہی۔

میں گرا تھا تو بہت لوگ رکے تھے لیکن
سوچتا ہوں مجھے آئے تھے اٹھانے کتنے

"تو یہ تھی تمہاری اصلیت۔۔۔" ماورا کے ہاتھ اپنی جگہ تھم سے گئے۔ وہ نجانے کب اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

Aneela PakistaniPoint

"ماورا میں سمجھا کرتا تھا ماورا اسکندر! کہ تم کسی انتہائی مولوی ٹائپ گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ کسی لڑکے سے بات کرنا' اس کی حوصلہ افزائی کرنا تمہارے نزدیک گناہ ہے۔" اس کی آواز کا سرد تاثر ماورا کے لیے غیر متوقع قطعاً" نہ تھا۔

"اور تم۔۔۔ تم ایک گائیکہ کی بیٹی ہو۔ دوسری گائیکہ کی بہن' ایک ریڈیو پہ آواز کا جادو جگاتی تھی۔ دوسری محفل میں گا رہی ہے۔ اور تم۔۔۔ تم ایک مرد سے بات کرتے ہوئے کتراتی تھیں۔" وہ کرسی کھینچ کر سامنے آبیٹھا۔ ماورا نے رخ موڑ کر نگاہیں تھمینہ پر جمادیں۔

تم نیا زخم لگاؤ' تمہیں اس سے کیا ہے

"کس بات کا زعم تھا تمہیں ماورا! اور کیا سمجھ رکھا تھا تم نے مجھے۔۔۔ میں کوئی گرا پڑا انسان تو نہیں تھا۔ میرے جذبوں میں کوئی کھوٹ نہ تھی۔ پھر۔۔۔؟"

اس کے لب و لہجے کی تلخی ناقابل برداشت تھی مگر اسے اپنا آپ آزمانا تھا۔

تم نیا زخم لگاؤ تمہیں اس سے کیا ہے
بھرنے والے ہیں ابھی زخم پرانے کتنے

تھمینہ جانے کیوں بار بار ایک ہی شعر دہرا رہی تھی۔ ماورا کو اپنے حلق میں کوئی نمکین سی چیز گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ روشنیاں آنکھوں کو چبھنے لگی تھیں۔

بیسیوں لوگوں کا دل بہلاتی ہو تم لوگ' صرف اس لیے کہ یہ تم لوگوں پر روپے نچھاور کرتے ہیں۔ سچے جذبے لٹانے والوں کی تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ ارے اظہار تو کرتیں ماورا! میں تمہیں روپوں میں تول دیتا۔ ان گنت لڑکیاں مجھ پہ مرتی ہیں ماورا سکندر! مگر افسوس۔۔۔ صد افسوس۔۔۔ میرا دل ٹھہرا بھی تو کس مقام پر۔۔۔؟"

وہ ناراض تھا یا خفا۔۔۔ تحقیر کر رہا تھا یا طنز۔۔۔ مگر کچھ تو ایسا تھا جو اس کی باتوں سے ٹوٹتے کانچ کی سی صدا دے رہا تھا۔ وہ کیا تھا جو اس کی آنکھوں میں جھلملا رہا تھا۔ جو ہونٹوں پر کپکپاہٹ بن کر اتر رہا تھا۔ اور یہ قدموں میں ڈگمگاہٹ کیسی؟

وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ لمحوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

"یہ عورت میری ماں ہے نہ وہ لڑکی میری بہن ہارون اسرار! میں ایک سید زادی ہوں۔ میرا ان لوگوں سے کیا واسطہ۔۔۔؟" وہ چیخ کر بتا دینا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی۔

"میں سلیم کی طرح کٹھور نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں سے دکھ سکھ کی سانجھ ہو۔ ان سے دستبردار نہیں ہوا جا سکتا۔ چلو اسی بہانے تمہاری "محبت" کھل کر سامنے آگئی۔ اب راہ بدلو گے بھی تو کم از کم مجھے خود سے کوئی گلہ نہیں رہے گا۔"

* * *

صبح آنکھ بہت دیر سے کھلی۔ ادھ کھلی کھڑکی سے روشن آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چھٹی کا ارادہ کر کے یونہی کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ لیکن پھر جانے دل میں کیا آیا کہ اٹھ کر غسل خانے میں گھس گئی۔ تیار ہو کر یونیورسٹی پہنچی تو کلاس شروع ہو چکی تھی اور اس دوران کلاس میں جانے کا مطلب پروفیسر صاحب سے اپنی بے عزتی کرانا تھا۔ سو چپ چاپ پلٹ کر لائبریری میں آگئی۔ ارادہ نوٹس بنانے کا تھا مگر آنکھوں میں ادھوری نیند کی کڑواہٹ بھری تھی۔ دو چار حرف پڑھتی تو آنکھوں میں پانی بھر آتا تھا' سو بے دلی سے کتابیں بند کر کے بیٹھ گئی۔

ساتھ والی کرسی پر بیٹھی لڑکی نے پڑھتے پڑھتے اخبار کا اندرونی صفحہ کھول کر پھیلایا تو سرسری نگاہ سے اخبار کا جائزہ لیتی ماورا بری طرح چونک گئی۔ اخبار کسی ناآشنا لڑکی کے ہاتھ میں تھا۔ مگر تصویر۔۔۔ اتنی اپنی تھی کہ اس نے جھپٹ کر اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔

"کاکا جان!" اس نے اس تڑپ سے انہیں پکارا گویا اخبار میں چھپی تصویر سے باہر نکال لینا چاہتی ہو۔ برق رفتاری سے اس کی نگاہوں نے تصویر کے نیچے تحریر عبارت کو پڑھا' دل ایک لمحے کے لیے سکڑ کر دوبارہ اپنی جگہ واپس آگیا تھا۔

سلیم کی طرف سے تلاش گمشدہ کا اشتہار تھا۔ ماورا نے مرے مرے سے انداز میں اس لڑکی کو اخبار واپس کیا اور خود وہاں سے اٹھ کر سلیم کے ڈیپارٹمنٹ تک چلی آئی۔ راستے میں اس کا دوست ملا تو وہ اسی کیفے ٹیریا میں بیٹھنے کا کہہ کر سلیم کو ڈھونڈنے چلا گیا۔

"کتنے دن ہو گئے مجھے سلیم کو دیکھے ہوئے۔" اس نے بیٹھ کر حساب کتاب کرنا شروع کیا۔

"اس گھر میں داخل ہونے کا گناہگار بھی غالباً" صرف میری وجہ سے ہوا تھا۔ جہاں اس کی ماں ہر روز ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر پوچھا کرتی ہے۔ آج سلیم سے ملی تھیں تم۔؟"

"تم یہاں کیسے؟ سب خیریت تو ہے نا؟" سلیم ایک دم سے میز پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف جھکا تو وہ بری طرح چونک گئی۔

"ہاں۔ خیریت ہے۔" چند ثانیے بعد اس نے جواب دیا تو وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کہاں گم رہتے ہو آج کل؟" ماورا نے بغور اسے دیکھا۔ وہ پہلے سے بہت بہتر حالت میں لگ رہا تھا۔ صحت بھی اچھی ہو گئی تھی اور چہرے پہ رہنے والا تفکر بھی اب قدرے اطمینان کا تاثر دے رہا تھا۔

"کہیں نہیں۔ بس ذرا پڑھائی کی مصروفیت تھی۔"

"اچھا۔" وہ ذرا سا ہنسی۔

"میں سمجھی مجھے اس گھرانے میں شامل کر کے مجھ سے بھی قطع تعلق کر بیٹھے ہو۔ یا پھر اپنے جھوٹ پر نادم ہو اسی لیے نظریں چرائے پھرتے ہو۔"

"طنز کر رہی ہو۔؟" سلیم کا جھکا ہوا سر اسے ذرا بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے سادگی سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"وہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا تمہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سلیم نے سر اٹھایا۔

"نہیں۔ سب لوگ بہت خیال رکھتے ہیں۔" اس کے جواب میں سلیم کچھ کہے بغیر ہاتھ میں پکڑے کی رنگ کو میز پر گھماتا رہا۔

"اخبار میں کاکا جان کی تصویر تم نے دی تھی؟"

"ہاں۔ ہمارے پاس آخری راستہ بس یہ ہی تھا۔"

"پھر۔؟"

"تاحال کسی نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ حالانکہ یہ اشتہار گزشتہ تین روز سے چھپ رہا ہے۔" سلیم کے جواب نے اس کے دل سے رہی سہی امید بھی نوچ کر پھینک ڈالی تھی۔

"پتا نہیں کیوں سلیم! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے۔ اب میں ان سے کبھی نہیں مل پاؤں گی۔" وہ بری طرح مایوس ہو رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھو۔ میں ابھی تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کو منگواتا ہوں۔" سلیم نے اسے اٹھتے دیکھ کر اصرار کیا۔

"نہیں۔ میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔ چلتی ہوں اب۔" سلیم کے انداز میں پہلے کی سی اپنائیت مفقود تھی۔ سو وہ جلد ہی وہاں سے اٹھ آئی۔

❁ ❁ ❁

"مجھے ایک ایسی لڑکی کی ضرورت ہے۔ جس کی آواز میں جھرنوں کی سی روانی بھلے نہ ہو مگر کوئل کی کوک جیسی ضرور ہونی چاہیے۔" احمد کیانی نے اپنے تمام کیریکٹرز کے چناؤ کے بعد ایکدم کھڑے ہو کر اعلان کیا تو اظفر کے ساتھ ڈائیلاگ کی تصحیح کرتے ہارون اسرار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ماریہ کہاں گئی۔؟" کسی اور نے پوچھا۔ وہ ان کی مستقل فنکارہ تھی۔ ایکٹنگ کے ساتھ ساتھ سنگنگ کی ماہر۔

"انگلینڈ۔ اور دو ماہ سے قبل واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

Arcela PakistaniPoint

"ایک لڑکی ہے تو سہی کیانی! لیکن اس کی آواز میں کوئل جیسی کوک نہیں۔ ہاں البتہ ابابیل کی گنگناہٹوں جیسی مٹھاس اور نغمگی ضرور ہے۔ سنو! تم نے کبھی صبح کے ملگجے سے اجالوں میں ابابیل کو گنگناتے سنا ہے۔؟" وہ کرسی جھلاتے جھلاتے ایک دم سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ احمد کیانی کو اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کس کے متعلق بات کر رہا ہے۔

"بہت آگاہ ہو گئے ہو اس کی خوبیوں سے۔" احمد کیانی نے کرسی کی ہتھیوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا تو وہ بے اختیار ہی ہنس دیا۔

"چاہنے والوں کو خبر تو رکھنی پڑتی ہے نا؟"

"اوہ! تو مانتے ہو اس بات کو کہ تم بھی چاہنے والوں میں شامل ہو چکے ہو۔"

"ہاں۔" اس کا سادگی سے کیا گیا اعتراف احمد کیانی کو حیران کر گیا۔

"کیا یہ وہی ہارون اسرار ہے جو ہر لڑکی کے ہاتھ آنے پر کہا کرتا تھا۔

"یہ میرا دل ہے، میں اسے چٹکی چٹکی دوسروں میں بانٹنا نہیں چاہتا۔ بس ایک ہی دفعہ پورے کا پورا دوں گا اسے، جسے میرا دل چاہے گا۔" احمد کیانی سیدھا ہو کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"میرا خیال ہے ہم کسی اور ٹاپک پر بات کر رہے تھے۔" ہارون اسرار نے بات بدلی۔

"تب ہارون اسرار کو یہ خبر نہ تھی کہ دل جیسی چیز کو چٹکیوں میں مسل کر پھینک دیتے ہیں۔ یہ کہانی اب ختم ہے کیانی! جسے تم آغاز سے دیکھ رہے ہو۔" دھندلائی آنکھوں سے احمد کیانی کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

"اس کی آواز بلاشبہ بہت خوبصورت ہے مگر اس کا اسٹیج کانفیڈنس نہیں ہوگا۔"

"تم ایک بار پھر اسے اسٹیج تک لاؤ تو سہی۔ تم سب کو حیران نہ کر دے تو کہنا۔" اس نے بہت سادگی سے کہا تھا۔

"چلو دیکھتے ہیں۔" احمد کیانی پی کیپ اپنے سر پہ ٹکاتا اسی وقت باہر نکل گیا تھا۔

"یہ کانفیڈنس تو اس کی گٹھی میں پڑا ہوگا احمد کیانی! تم کیا جانو۔۔۔؟" وہ گہری سانس لے کر دوبارہ اظفر کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

"یہ کیا کہا ہے اس نے؟"

احمد کیانی کی بات سن کر وہ بہت دیر تک بس اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔

"آپ کی آواز اتنی خوبصورت ہے کہ یہ کام آپ کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"

اسے لگا وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

یا پھر دبے پردہ یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہے کہ۔۔۔ آپ جیسی پروفیشنل کے لیے یہ کام ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوگا۔

"تو کیا یہ بات پوری یونیورسٹی میں پھیل چکی ہے۔" اسے کھڑا رہنے کے لیے کرسی کا سہارا لینا پڑا۔

"یہ ایک چیریٹی شو ہے ماورا! اس کار خیر میں۔"

وہ احمد کیانی کے ہلتے ہوئے ہونٹ دیکھ رہی تھی مگر مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔

"واہ ہارون اسرار! خوب بدلہ لیا ہے تم نے۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تم کبھی یوں میری تذلیل کا باعث بھی بنو گے۔"

"ہاہ۔۔۔ ایک گائیکہ کی بیٹی۔۔۔ دوسری گائیکہ کی بہن۔۔۔" کوئی طنزیہ آواز میں اس کے قریب آ کر ہنسا۔

"آپ فوری طور پر جواب نہیں دینا چاہتیں تو میں کل اسی وقت دوبارہ آ جاؤں گا۔" احمد اسے گم صم ہوتے دیکھ کر اسی وقت لوٹ گیا۔

"تمہیں دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی احمد کیانی! تمہارے آنے سے پہلے میرا انکار تم تک پہنچ جائے گا۔" وہ پختہ ارادوں کے ساتھ وہاں سے اٹھی مگر ایک ہیولے نے اس کی راہ روک لی تھی۔

"کیوں انکار کر رہی ہو تم۔؟ محفلوں میں گا سکتی

ہو۔ یونیورسٹی میں نہیں۔ روپوں کے لیے گا سکتی ہو تو کارِ خیر کے لیے کیوں نہیں؟"

"تم صرف طعنہ دینے کے لیے مجھے ہزاروں تماش بینوں کے سامنے لانا چاہتے ہو۔" وہ بہت تیزی سے کلاس روم سے باہر نکل آئی۔

"تم مجھے میری اوقات یاد دلا کر میری تذلیل کرنا چاہتے ہو۔ اور بس۔۔۔ تم مجھے صرف یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ میں ایک گائیکہ کی بیٹی ہوں۔ دوسری گائیکہ کی بہن' اس کے باوجود میں نے تمہاری پذیرائی نہیں کی۔" اس نے راستے میں آنے والے ہر پتھر کو اپنی ٹھوکر سے اڑا دیا۔

"اوہ خدایا! یہ ذلت بھی میرے حصے میں لکھی جانی تھی۔۔۔" وہ اندھا دھند بھاگتی ہوئی پوائنٹ پر سوار ہو گئی۔

"ذلت۔۔۔ کیسی ذلت۔۔۔؟" زمانی بیگم کی شرارے اگلتی آنکھیں اس کی فائل پر اگ آئی تھیں۔

"میرے پاس ہو تو گائیکہ کی بیٹی کہلائی ہو۔ سگی ماں زندہ ہوتی تو ناٹک والی کی بیٹی کہلاتیں۔ درجہ تو گائیکہ کا بھی وہی۔ نوٹنکی والی کا بھی وہی۔ تو ذلت کیسی بنو۔۔۔ اپنی اصلیت پہچانو۔۔۔ ایسی کہاں کی اعلا و ارفع ہو تم۔۔۔" اس نے تیزی سے فائل کو اوندھا کر دیا۔

"ارے۔۔۔ جب ہم لوگوں کا کھاوے ہے تب تیری تذلیل نہ ہووے ہے۔ جب ہماری چھت کے نیچے سووے ہے۔ ہماری آسائشوں کو جی بھر کے لوٹے ہے۔ ہمارے ساتھ مل کر ہنسے' روووے ہے۔ تب تیری تذلیل نہ ہووے ہے۔" نائلہ کی پاٹ دار آواز بس کے ہارن سے نکلی تھی۔

"جب تم ہمارے حوالے سے جانی جاتی ہو تو پھر خود کو ہم سے الگ کیوں کرنا چاہتی ہو؟ اسٹیج پر گانا نہیں چاہتیں کہ ایک گائیک گھرانے سے تعلق پر تصدیق کی مہر لگ جائے گی تو لگ جانے دو۔ ایسا کون سا بٹہ لگ جائے گا تمہارے نام پر جو کچھ وہ اپنی آنکھوں اور کانوں سے دیکھ سن چکا ہے۔ اسے کیسے جھٹلاؤ گی تم۔۔۔ تردید کرنا چاہتی ہو؟" تہمینہ کتاب کے صفحے سے جھانک رہی تھی۔

"نہیں نا؟ تو صرف اپنی ذات کو سامنے رکھو۔ اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ گائیک کچھ نہیں ہوتے کہ جن سے تعلق کا چھینٹا تمہیں داغدار کر دے گا۔" تہمینہ کے بولنے کا اپنا ایک انداز تھا۔ مدھم سروں سے لبریز۔

"گائیک کنول کا پھول بھی تو ہو سکتا ہے ماورا! جس کی اوک میں پانی کا ننھا' شفاف اور معطر قطرہ کبھی کبھی دوسروں کی پیاس بھی بجھا دیتا ہے۔"

پورے جادو گر تھے یہ سب لوگ۔۔۔ وہ پوائنٹ سے اتری تو ذہنی کیفیت کسی نتیجے پر پہنچ جانے کے بعد یکسر بدل چکی تھی۔

* * *

آیئے ہاتھ اٹھائیں' ہم بھی
ہم جنہیں رسم دعا یاد نہیں
ہم جنہیں سوزِ محبت کے سوا
کوئی بت' کوئی خدا یاد نہیں

اس کی آواز سننے والوں کو مبہوت کر گئی تھی۔ افسردگی سے بوجھل' غم کے اثر سے گونجتی بانسری کے رسیلے سروں کی سی آواز مائیک سے ابھر احمد کیانی نے ہارون اسرار کے دعوے کو سو درست قرار دے دیا تھا۔

پرفارم کرنے والے لیلیٰ اور وصی تھے۔

"یار اس لڑکی کی آواز اور اس نظم نے ڈرامے تاثر کو کس قدر پاور فل بنا دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے ہماری ساری محنت وصول ہو گئی ہے۔" احمد کیانی پردے پیچھے اپنی کامیابی پر پرجوش ہو رہا تھا۔

ماورا اور ہارون اسرار مائیک پر موجود تھے۔

ماورا جس بند کو ترنم سے پڑھتی تھی۔ اسی بند کو گراؤنڈ میں ہارون اسرار تحت اللفظ میں پڑھتا۔ کی مدھم ہوتی آواز پر ہارون اسرار کا لب و لہجہ ایک ہی غالب آجاتا تھا۔

عشق کا سر نہاں جان تپاں ہے جس سے

Aneela Pakistanipoint

آج اقرار کریں اور تپش مٹ جائے
آج حق دل میں کھٹکتا ہے جو کانٹے کی طرح
آج اظہار کریں اور خلش مٹ جائے
اور اس کی آواز کی سرسراہٹوں میں کسی تتلی کے
پروں کی سی کومل آواز رفتہ رفتہ ابھر کر ماحول پہ
چھانے لگی تھی۔
کسی کی آنکھوں کو رخ صبح کا یارا بھی نہیں
ان کی راتوں میں کوئی شمع منور کردے
کسی کے قدموں کو کسی رہ کا سہارا بھی نہیں
ان نظروں پہ کوئی راہ اجاگر کردے
اسی نظم پر ڈرامے کا اختتام ہوا تھا۔ پردے برابر
ہوئے تو تالیوں کا شور سن کر پردے کے پیچھے تمام طلباء
طالبات چیخیں مار مار کر اپنی کامیابی کو سیلیبریٹ کرنے
لگے تھے۔ ماورا کسی کو اپنی طرف متوجہ ہونے کا موقع
دیے بغیر وہاں سے نکل آئی۔ گلابی شام میں سرمئی
رنگ گھلنے لگا تھا۔ دن بھر کی تپش کا زور ٹوٹ گیا تھا اور
ہوا میں قدرے ٹھنڈک سی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی
وہاں چائے کا دور چلنا تھا۔ اس لیے اکا دکا اسٹوڈنٹ ہی
باہر نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دھیمی رفتار سے
چلتے ہوئے روش تک آگئی تھی۔ بیگ کندھے سے لٹکا
کر اس نے روش کے کنارے لگے پودوں سے خوب
کھلے کھلے دو چار پھول توڑ کر ہاتھوں میں بھر لیے۔

عشق کا سرنہاں جان تپاں ہے جس سے

آج اقرار کریں اور تپش مٹ جائے

اس کی نگاہ ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخی پر جمی
تھی۔

عشق کا سرنہاں جان تپاں ہے جس سے

تنہائی میں گانے کا اپنا ہی لطف تھا۔ وہ ایک ہی شعر
کی تکرار کر رہی تھی نجانے کیوں۔
اپنی آواز کے پس منظر میں ابھرتی ایک اور آواز۔
کسی قدر واضح اور دلفریب تھی۔
آج اقرار کریں اور تپش مٹ جائے
آج اقرار کریں اور۔

قدموں کی آواز قریب رہی تھی۔ اس نے لب بھینچ
لیے اور سر جھکا کر اپنے قدم گننے لگی۔ نجانے کیوں
تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔
کام بھی تو بہت مشقت طلب تھا۔ دو دن تک
مسلسل ایک ہی نظم کی ریہرسل اور وہ بھی ہارون اسرار
کی معیت میں۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے
ساتھ سر جھٹکا۔
"خود کو صاف شفاف و کھرا ثابت کرنے کے لیے
اپنی ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہونے کے لیے انسان
کتنے کشٹ اٹھاتا ہے۔"
اس نے سر اٹھایا اور پھر اپنے برابر چلتے ہارون اسرار
کو دیکھ کر بری طرح چونک گئی۔
"اندھیرا ہونے کو ہے۔ کہو تو میں چھوڑ آؤں؟"
اس نے راہ میں آئے کنکر کو اپنی ٹھوکر سے اڑایا۔
ماورا نے چلتے چلتے گردن موڑ کر بغور اسے دیکھا۔
اس روز کا کوئی ایک تاثر بھی اس کے چہرے پہ نہ تھا۔
"اور یہ شخص ایک بار پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر
چلا آیا ہے۔"
اس کا دل چاہا ایک لمحے کے لیے رک کر اسے کہہ
دے۔
"تم ناز و نعم میں پلے ہو ہارون اسرار! محبت کا ذرا سا
دکھ تمہاری برداشت سے باہر ہوا تو تم سب کچھ بھلائے
ایک بار پھر میرے سامنے کھڑے ہو۔۔۔ مجھے دیکھو۔۔۔
دکھوں کی تیرگی میں روشنیوں کو کھوجتی ہوں کہ زندگی
بتا سکوں۔ محبت کی راہ میں قدم رکھتے ہوئے ڈرتی ہوں
کہ اس کا اختتام بھی کسی تاریک منزل پر ہوا تو شاید جی
نہ پاؤں۔ اعتبار کرنے میں وقت تو لگتا ہے نا؟" وہ
دونوں یونیورسٹی سے باہر آچکے تھے۔
بس اس کے عین سامنے آکر رکی تو وہ بغیر وقت
ضائع کیے اس پر سوار ہو گئی۔ ہارون اسرار نے وہیں
سے اپنے قدم واپس موڑ لیے۔
کلاس روم میں بیٹھے بیٹھے اس نے کوئی چوتھی مرتبہ
اپنا بیگ کھول کر دیکھا اور پھر بند کر دیا۔ تہمینہ سے
ادھار لیے گئے روپوں میں سے بس اتنے باقی تھے کہ وہ

واپسی کا کرایہ ہو جاتا۔ اور اس کے بعد۔۔۔ ذہن پر ایک نئی فکر سوار ہوئی تو لیکچر میں اس کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

زمانی بیگم سے کچھ مانگنا اس کے لیے باعث شرم تھا۔ یہ کیا کم تھا کہ دو کمروں کے اس مکان میں پانچ افراد کے ساتھ رہنے کے لیے اسے چھت فراہم کر دی گئی تھی۔ ان کا تو پہلے پورا نہ پڑتا تھا' تعلیمی اخراجات کہاں سے اٹھاتیں۔ اور کیوں۔۔۔؟ آخر اس کا ان سے رشتہ ہی کیا تھا۔

"تو پھر۔۔۔؟ کیا کروں۔۔۔؟" وہ سر تھام کر بیٹھ گئی' خبر ہی نہ ہوئی کب پیریڈ ختم ہوا۔ کب کلاس روم خالی ہوا۔ اور کب لیلیٰ اور احمد کیانی اس کے سر پر آ پہنچے۔

"اٹھ جائیے محترمہ! اٹھ جائیے۔ وہاں ایک پوری بٹالین آپ کا انتظار کر رہی ہے۔" اس نے سر اٹھا کر ناسمجھی کے عالم میں ان دونوں کو دیکھا۔

"آپ کو تو پکا پکایا ملے گا' آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ ذرا ہم سے پوچھیے' کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں؟" لیلیٰ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا۔ احمد کیانی ٹھنڈی آہیں بھر کے خود کو آزردہ و افسردہ ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"یہ جو ہمارے ڈرامیٹک سوسائٹی کے صدر ہیں نا۔ اول نمبر کے کنجوس۔ پیسہ ان کی جیب سے بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ ابھی بھی بڑی دقتوں سے انہیں یہ ٹریٹ دینے پر آمادہ کیا ہے۔" وہ اسے ساتھ لے کر لان کے ایک سرسبز گوشے میں چلی آئی تھی۔ جہاں ڈرامے میں حصہ لینے والے تمام اسٹوڈنٹس موجود تھے اور خوب ہلڑبازی کر رہے تھے۔

"ارے واہ۔۔۔ واہ لڑکی! تم نے تو کل کمال ہی کر دیا۔۔۔" اسے دیکھتے ہی کسی ایک نے نعرہ لگایا تھا۔

"اب پتا چلا یہ اتنا کم کیوں بولتی ہیں؟"

"کیوں۔۔۔؟"

"تاکہ اس کی آواز کو نظر نہ لگے۔۔۔" ان لوگوں کی تعریف کا اپنا ایک انداز تھا۔ سو وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے ایک کونے میں جا بیٹھی۔

"آئس کریم پگھل رہی ہے۔ خدارا اسے جلد از جلد کھا لیا جائے۔" علی نور کے اعلان پر وہ سب آئس کریم پر ٹوٹ پڑے۔

وہ پگھلتی ہوئی آئس کریم کو چمچہ سے مزید پگھلاتے ہوئے ان سب کے خوش باش چہروں کو دیکھنے لگی۔

"تم سا خوش قسمت اس دنیا میں کوئی نہیں۔ تم لوگ اپنے گھروں سے آتے ہو؟ واپسی پر تمہارے ماں باپ' بہن بھائی تمہاری راہ تکتے ہوں گے۔" کیسی حسرت تڑپ رہی تھی اس کی آنکھوں میں۔ کوئی دیکھ لیتا تو کم از کم ایک بار اپنی ساری خوشیاں اس کے ہم کر دینے کی دعا ضرور کر دیتا۔

"تم لوگ یہ عیاشیاں کر سکتے ہو کہ تمہیں لینے کرانے والے سلامت۔۔۔ یہاں تو خرچا پورا نہیں پڑتا۔۔۔" وہ انہیں چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح کیک اور پزا پر ٹوٹتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"یہ لباس جو روز بروز اپنا رنگ کھوتا جا رہا ہے۔ کب تک میرا ساتھ دے گا۔ اور کرائے کے لیے روپے آنے تک مجھے کتنی چھٹیاں کرنی پڑیں گی۔" ایک ایک کا چہرہ دیکھ کر خود کو سوچنے لگتی۔ اسے آپ بہت سے کھلے ہوئے پھولوں کے درمیا مرجھائے ہوئے پھول کا سا لگ رہا تھا۔

"اللہ تم سب کی خوشیوں کو دوبالا کرے۔ تمہیں بری نظروں سے بچائے۔" وہ رخ بدل کر پلکیں جھپک کر آنکھوں میں آیا پانی اپنے اندر اتارنے لگی

"ماورا سے کہو' ہمیں وہ نظم دوبارہ سنائے۔ کل ڈھنگ سے سن ہی نہ پائے تھے۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں ضرور۔۔۔" وہ سب اس طرح متو ہوئے تو وہ بمشکل مسکرا پائی۔

"آج نہیں۔۔۔ پھر کسی دن سناؤں گی۔ اور پلیز آ آپ لوگ ناراض نہ ہوں تو مجھے ایک بہت ضروری سے جانا ہے۔" وہ ان سے اجازت لے کر اٹھ تھی۔

آیئے ہاتھ اٹھائیں' ہم بھی
ہم جنہیں رسم دعا یاد نہیں

وہ سب لوگ اپنی اپنی آوازوں میں گا رہے تھے۔
"اے۔ اے رکو۔۔۔" وہ ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ احمد کیانی نے اسے جالیا تھا۔
"یہ کل شام کی رپورٹ کے کچھ چیدہ چیدہ پوائنٹس ہیں۔ تمہیں اس رپورٹ کو بہت تفصیل سے لکھنا ہوگا۔"
"مجھے۔۔۔؟" اس نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔
"ہاں بھئی۔ اسی شرط پہ تو میں ایک ہفتے کی چھٹی پر جارہا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں بھی سارے کام بحسن و خوبی انجام پاتے جائیں گے۔ وہ ہارون اسرار صاحب پڑھائی کے ساتھ ساتھ بزنس سنبھالنے کا کھڑاگ نہ پال رہے ہوتے تو شاید مجھے آپ کے نازک کندھوں پر یہ ذمہ داری نہ ڈالنی پڑتی۔۔۔" اس نے بڑے اطمینان سے وہ چند کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔ ساتھ ہی ایک وزیٹنگ کارڈ۔۔۔
"باسم بھٹی سے بہت اچھے تعلقات ہیں میرے۔ یہ رپورٹ اسی کو پہنچانی ہے۔"
وہ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما کر واپس ہوا، مگر دو قدم چل کر پھر سے رک گیا۔
"مجھے یقین ہے، اس نظم کی طرح تم یہ رپورٹ بھی بہت خوبصورتی سے پیش کرو گی۔ وہ بہت آرام سے کہہ کر چلتا بنا۔
اس کا دل چاہا۔۔۔ ان کاغذات کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر کے اڑا ڈالے۔
"ماورا اللہ جانے کل یہاں آتی بھی ہے یا نہیں۔ تم اپنی ذمہ داریاں بھی سونپ دو اسے۔ یہاں دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے ہیں۔ رپورٹیں کیا خاک پیش ہوں گی۔"
وہ دانت کچکچاتی وہاں سے چل دی۔

* * *

رات آدھی سے زیادہ بیت گئی تھی۔ احمد کیانی کے دیے گئے نکات کو اس نے خالص اپنے انداز میں لکھا تھا، اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ کھلی کھڑکی میں آبیٹھی۔۔۔ اب اسے اپنے بارے میں بھی کچھ سوچنا تھا۔
"ٹیوشنز، نوکری، یا۔۔۔" اس نے پلٹ کر محو خواب تہمینہ کو دیکھا۔
"یونیورسٹی چھوڑ دی تو شاید، اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہ رہے۔" اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اپنا سر کھڑکی کے کھلے پٹ سے ٹکا دیا تھا۔
"اور شاید اسی دن کے لیے کاکا جان کہا کرتے تھے۔ "ڈگری بڑے کام کی چیز ہے۔ علم ہو نہ ہو۔ ڈگری ضرور ہونی چاہیے۔" کاکا جان کا خیال آتے ہی وہ بری طرح چونکی۔
"اور ایک کام وہ بھی تو تھا جس کے ذریعے کاکا جان سارا گھر چلایا کرتے تھے۔ میری بھاری بھاری فیس بھی تو انہوں نے ہی ادا کی تھیں تو پھر۔۔۔؟"
وہ قدرے پُرجوش ہو کر بستر تک آئی۔ کاغذات کا پلندہ ابھی بھی وہاں پڑا تھا۔۔۔ اس نے جھٹ سے قلم ہاتھ میں لے لیا۔
"لکھنے کو تو بہت کچھ ہوتا ہے۔۔۔ ادب، سیاست، خواتین کے مسائل، طلباء کے مسائل، حالاتِ حاضرہ۔۔۔؟ کیا لکھوں۔۔۔؟" وہ تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی پھر جانے کیا سوچ کر عنوان لکھ ڈالا۔
"میرے گم شدہ۔۔۔"
دو مہربان ہاتھوں نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر خبر ہی نہ ہوئی اور وہ صفحے کے صفحے بھرتی چلی گئی اور جس وقت اس نے اختتامی لکیر کھینچی۔ گھڑی کی سوئی چار پر تھرک رہی تھی۔ اس نے سب کاغذات سمیٹ کر تکیے پر سر رکھا تو لمحوں میں غافل ہو گئی تھی۔
صبح آنکھ کھلی تو پہلی نظر تہمینہ پر پڑی تھی جو گیلے بالوں میں کنگھی چلانے کے ساتھ ساتھ اسے جگانے کے لیے آوازیں لگا رہی تھی۔
"یونیورسٹی جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"
"نہیں۔۔۔ آج کہیں اور جاؤں گی۔۔۔" کروٹ بدلتے ہوئے اس نے سوئی سوئی سی آواز میں جواب

Aneela PakistaniPoint

دیا۔
"کہاں۔۔۔؟"
"پہلے اپنے گھر' پھر ایک اخبار کے دفتر۔۔۔؟" تہمینہ نے اس کے جواب پر خاصی حیرت سے دیکھا۔
"گھر کیا کرنے جاؤ گی؟"
"کاکا جان ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی ادھورا' پورا ناول یا کالم ایسا ہو جو میرے کام آسکے۔ ان کی سب ہی چیزیں سمیٹ لاؤں گی۔۔۔" وہ بال سمیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔
"بلکہ دل چاہے تو تم بھی میرے ساتھ چلنا۔۔۔ اور دیکھنا' میرا گھر کتنا خوبصورت ہے۔؟ آڑو تو خوب پک چکے ہوں۔۔۔ ہم سارا پھل توڑ لائیں گے مینا! واپسی پر اخبار کے دفتر اور وہاں سے یہاں۔۔۔"
"چلیں گے' ضرور چلیں گے۔۔۔ لیکن پہلے تم غسل خانے سے ہو آؤ۔۔۔ ورنہ بعد میں پانی نہ ملنے پر مجھ سے شکایت مت کرنا۔" تہمینہ نے کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

* * *

لکڑی کا خستہ حال دروازہ جس پر دستک دینے کے لیے اس کی ساری توانائی اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں سمٹ آئی تھی' آج کھلا ہوا تھا۔۔۔ وہ ایک پل کے لیے دہلیز پہ ٹھٹک گئی اور پھر دروازے کو چوپٹ کھولتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گئی۔
"ارے' اللہ کی زمین جان کر یہ کن لوگوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں یہاں؟" اس نے بے اختیار ہی ساتھ چلتی تہمینہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ آٹھ دس لڑکے تھے جو آزادنہ پورے گھر میں گھوم رہے تھے۔ ان کے قہقہے' ان کی باتیں۔ فضا میں جیسے رچ بس سی گئی تھیں۔
برآمدے سے باہر آتے دو لڑکوں نے انہیں وہاں کھڑا دیکھا تو اسی طرف سے چلے آئے۔
"جی فرمائیے۔۔۔" ان کی سوالیہ نظروں نے ماورا کا دل مٹھی میں بھینچ لیا۔
تہمینہ اس سے آگے بڑھ آئی تھی۔
"کون ہو تم لوگ۔۔۔؟ کب سے یہاں رہ رہے ہو؟"
تہمینہ پوچھ گچھ کرنے لگی تھی۔ وہ دوسری طرف چلی آئی۔
گھاس مسلی ہوئی اور درخت پھلوں سے خالی تھے۔ حوض کنارے شیونگ کا سامان پڑا تھا اور گدلے پانی پر جھاگ تیر رہی تھی۔۔۔ شاخوں میں رکھے چڑیوں کے پانی کے کٹورے غائب' اور ننھی چڑیاں شور مچا مچا کر جیسے اس سے شکایت کر رہی تھیں۔۔۔
"ایک ایک کمرے میں پانچ پانچ لڑکے ہیں۔۔۔ اور سبھی کرایہ دیتے ہیں۔ مفت میں تو کوئی نہیں رہتا۔۔۔" ایک لڑکا بتانے لگا۔
وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ آئی۔ ابا کے کمرے میں جھانکتے ہوئے اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔
وہاں ابا کی چارپائی ہوتی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی پہلی نظر ان پر پڑتی تھی۔ اب وہاں چارپائی کی جگہ زمین پر بستر بچھے تھے۔۔۔ اور ایک لڑکا تندہی سے کپڑوں پر استری کر رہا تھا۔
"یہ کاکا جان کا کمرہ۔۔۔ یہ میرا۔۔۔ یہ باورچی خانہ۔۔۔" باورچی خانے کے سوا دونوں کمرے بند تھے' اور ان پر لگے تالوں میں اس کے پاس موجود چابیوں میں سے کوئی چابی نہ لگی تھی۔ تب ہی تہمینہ تیزی سے اس کی طرف آئی اور تقریباً" کھینچتے ہوئے باہر نکلی۔
"اس سے پہلے کہ سلیم آجائے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"
دروازے سے باہر نکلتے ہی وہ ایکدم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ مگر تہمینہ رکی نہیں۔ گھر سے دور سڑک کے قریب پہنچ کر وہ ذرا دیر کے لیے ٹھہری۔ اس کے روانی سے بہتے آنسوؤں کو پونچھا۔
"سلیم نے بہت برا کیا ہے۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اپنے فائدے کے لیے۔۔۔"
"آبادی سے دور۔۔۔ فصلوں' کھیتوں درمیان تنہا

گھر' دو چار گھر آس پاس بس رہے ہوتے تو سلیم کی اتنی جرات نہ ہوتی۔ اسے تو ہر مہینے اچھی خاصی آمدنی ہو رہی ہے۔" تہمینہ اس کے دکھ میں برابر کی شریک تھی۔

"اب کہاں چلنا ہے؟"

"گھر چلتے ہیں۔"

"گھر۔" تہمینہ نے ایک پل کے لیے سوچا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس حالت میں' میں تمہیں کبھی بھی گھر نہیں لے جاؤں گی۔ زمانی بیگم ذرا بو چھیں گی اور تم جھر جھر ان کے سامنے آنسو بہانے لگو گی۔" تہمینہ وہیں اس کے ساتھ سڑک کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

"میری ایک بات دھیان سے سن لو ماورا! اس معاملے کی زمانی بیگم کو بھنک نہ پڑنے دینا۔ وہ لاکھ اچھی عورت سہی مگر ہے تو سلیم کی ماں۔۔۔ کرائے کے گھر میں رہتی ہے۔ سلیم نے تو در پردہ تمہیں دھوکا دیا ہے۔ وہ تمہارے سامنے بیٹھ کر کاغذات پہ تم سے دستخط لے گی۔ اور تم اس کے لہجے کی مٹھاس میں کوئی کھوٹ نہ تلاش کر پاؤ گی۔"

"تہمینہ!" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔

وہ غمزدہ سی ہو کر ہنس دی۔

"تم نے ابھی صرف دنیا دیکھی ہے ماورا! میں نے پرکھی بھی ہے۔ چلو اخبار کے دفتر چلتے ہیں۔" ماورا گم صم سے انداز میں اس کے ساتھ چل دی تھی۔

"تہمینہ! وہ میرا گھر ہے نا۔۔۔؟ مجھ سے چھن تو نہ جائے گا۔" وہ چلتے چلتے یونہی پوچھ رہی تھی۔

"کاکا جان بھی تو لوٹ کر نہیں آئے مینا! یہ اتنے سارے دکھ اللہ نے صرف ہماری قسمت میں ہی کیوں لکھ دیے ہیں؟" کولتار کی سیاہ سڑک پر ان کے تھکے تھکے قدموں کے نشان لمحہ بہ لمحہ معدوم ہوتے جا رہے تھے۔

باہر کے آگ برساتے ماحول کی نسبت اندر کی فضا بے حد پرسکون اور ٹھنڈی تھی۔ نرم صوفے میں دھنستے ہوئے ماورا نے کارڈ نکال کر پیون کے حوالے کر دیا تھا۔

"باسم بھٹی کے ہاں میں دو بار جا چکی ہوں۔ ایک بار اس کے والد کا جشن صحت منایا گیا تب اور دوسری بار غالباً" اس اخبار کو کوئی ایوارڈ ملنے پر۔۔۔ اس کا پورا گھرانہ بہت ملنسار ہے۔" تہمینہ اس کے چہرے پہ پھیلے سوچ اور تفکر کو اپنی باتوں سے کم کرنا چاہ رہی تھی۔

"تہمینہ! اگر کاکا جان کبھی واپس نہ آئے۔ تو کیا میں ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ ہی رہوں گی؟" اپنی سوچ میں ڈوبتے ابھرتے اس نے معلوم نہیں تہمینہ کی بات سنی بھی تھی یا نہیں۔

تہمینہ کو ایک دم چپ نے آلیا تو وہ ہتھیلیاں کھول کر یونہی اپنی لکیروں کو دیکھتی رہی۔ تب ہی باسم بھٹی نے انہیں اندر بلوا لیا تھا۔

روشن' سرد ماحول میں اے سی کی سبر سراہٹوں کے ساتھ مردانہ گفتگو اور ہنسی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ شیشے کی وسیع میز پر بہت سی تصاویر بکھری ہوئی تھیں۔ باسم بھٹی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کی کرسی کی پشت پر ایک ہاتھ ٹکائے دوسرے ہاتھ میں ایک تصویر تھام کر کچھ کہتا ہوا ہارون اسرار ماورا کو اندر آتے دیکھ کر بری طرح چونکا تھا تو ایک پل کے لیے اس کے جسم میں بھی خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ ان کے بیٹھتے ہی ہارون اسرار نے ایک ایک کر کے وہ تصاویر اکٹھی کیں اور میز کی پہلی دراز میں رکھ کر خود بہت اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے کرسی پر بیٹھ گیا۔

باسم بھٹی تہمینہ سے حال چال دریافت کرنے لگا۔ ماورا نے فائل میں سے رپورٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

"بہت اچھا ہوا جو آپ جلدی آ گئیں۔ میں نے احمد کیانی سے وعدہ کر رکھا تھا کہ کل کے اخبار میں رنگین تصاویر کے ساتھ پہلے صفحے پہ یہ رپورٹ لگ جائے گی۔۔۔" باسم نے کہتے ہوئے انٹر کام کا ریسیور اٹھایا۔

"کیا پئیں گی آپ لوگ۔۔۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے

انہیں دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ۔ ہم لوگ ذرا جلدی میں ہیں۔" ماورا نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پر ڈالی اور پھر انہیں فائل میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے اٹھتے دیکھ کر تہمینہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تم اپنے کالم بھی تو ساتھ لائی تھیں؟"

"پھر بھی مجھے جلدی ہے تہمینہ! پھر کبھی سہی۔" اس نے بے بسی سے تہمینہ کو دیکھا۔

"کیسا کالم؟" باسم بھٹی نے باری باری دونوں کی شکل دیکھی تو تہمینہ نے فائل اس کے ہاتھوں سے لے کر باسم کے سامنے رکھ دی۔

ماورا اپنی سرد ہوتی پوروں کے ساتھ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔ خود پر مرکوز دو آنکھیں اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

"میرے گم شدہ!" باسم نے باآوازِ بلند پڑھا اور پھر قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ خود پر ضبط کرنے کی کوشش میں اس کے لب کپکپا رہے تھے۔ آنکھیں جھکائے نہ کھڑی ہوتی تو آنسو بہہ کر اس کے سارے بھید کھول چکے ہوتے۔

"اب انہیں دراز کی نچلی تہہ میں گلنے سڑنے کے لیے مت رکھ لیجئے گا باسم صاحب! آپ انہیں پڑھئے اور بتائیے یہ چھپنے لائق ہیں یا نہیں۔"

"میں جا رہی ہوں تہمینہ!" وہ دروازے کی طرف پلٹی جب بہت اطمینان سے بیٹھا ہوا ہارون ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ ماورا! میں جا رہا ہوں۔"

"میں نے آپ سے تو کچھ نہیں کہا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بمشکل کہہ پائی۔

"یہ حسرت تو شاید ہارون اسرار دل میں لیے ہی مر جائے گا کہ آپ کچھ کہیں اور وہ سنے۔" اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مدھم لہجے میں کہا مگر تہمینہ اپنی جگہ بری طرح چونک گئی۔

"ہارون اسرار۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی اور پھر فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک منٹ۔" اس نے دروازے سے باہر نکلتے ہارون اسرار کو روکا۔

"آپ ہارون اسرار ہیں؟"

"جی۔" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ چند منٹ کے لیے مجھ سے بات کرنا پسند کریں گے۔" تہمینہ کی بات سن کر ماورا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ جی بھر کر اس ایک دن کے لیے پچھتائی جب کسی کمزور لمحے کی زد میں خود پر قابو نہ رکھتے ہوئے اس نے کہہ ڈالا تھا۔

"تہمینہ! ایک لڑکا ہے ہارون اسرار۔ اور وہ دعوا کرتا ہے کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔" اس وقت تہمینہ نے محبت کی تباہ کاریوں پر پورا لیکچر دیا تھا اسے۔

"اور اب یہ کیا بات کرنے جا رہی ہے اس سے۔" وہ تیز تیز قدم چلتی آفس سے باہر نکل کر ان دونوں تک پہنچی۔

"تہمینہ! جلدی کرو مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"مجھے ذرا۔"

"تہمینہ۔ تم۔ میں نے کہا نا تم چلو یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔"

وہ اسے تقریباً" کھینچ کر لے جانا چاہ رہی تھی مگر تہمینہ بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہو رہی تھی۔

"پاگل ہوئی ہو ماورا! مجھے اس سے بات تو کرنے دو۔" تہمینہ بری طرح چڑی۔

"تم میرے معاملات میں حد سے زیادہ دخل اندازی کر رہی ہو۔" بے بسی کے شدید احساس سے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"ہاں۔ کر رہی ہوں تو۔" تہمینہ اتنی کٹھور ہو سکتی ہے اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ چند لمحے اسے غصے سے گھورتے رہنے کے بعد اس نے ایک دم تہمینہ کو دھکا دیا اور خود بری طرح روتی ہوئی بھاگ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

"میں تم سے زندگی بھر بات نہیں کروں گی تہمینہ۔"

* * *

"محبت کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہارون اسرار! اس کے لیے ثبوت دینا پڑتا ہے۔ تمہیں اس لڑکی سے محبت ہے تو جاؤ اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنی محبت کا ثبوت دو، تمہاری خالی خولی محبت اس کے کسی کام کی نہیں۔" وہ بہت اطمینان سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہنے لگی۔

"اس کا گھر چھینا جا رہا ہے اس سے۔ زمانے کی سنگدلی نے ایک سید زادی کو ہم جیسوں کی صحبت میں لا پھینکا ہے۔ وہ کہاں تک مقابلہ کر پائے گی حالات کا، ایسا نہ ہو کہ کوئی دن آئے اور تمہیں ماورا اور تہمینہ میں کوئی فرق نظر نہ آئے۔ یہ کم مائیگی وقت کے سیاہ ہاتھوں نے میرے نصیب میں تو لکھ دی ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ اس معصوم لڑکی کی شامیں بھی یونہی داغدار ہوں۔ جو غم اور دکھ میرے حصے میں آیا ہے۔ میں نہیں چاہتی وہ بھی ان ہی کیفیات سے گزرے۔" اس کی نیت کی سچائی اس کے لہجے سے چھلک رہی تھی۔

ہارون اسرار کو اس لڑکی کے لیے اپنے دل میں گہرا دکھ محسوس ہوا تھا۔

"لڑکیوں کو محب کی، عاشق کی ضرورت نہیں ہوتی ہارون! انہیں ایک محافظ درکار ہوتا ہے۔ ایک ایسا سایہ جو انہیں زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھ سکے۔ وہ نادان ہے، انا کے خول میں جکڑی ہے۔ وہ کم مایہ نہیں مگر۔ کم مائیگی کے خوف میں جکڑی ہوئی ہے اور یہ ہی خوف اسے تم تک آنے نہیں دیتا۔"

ہارون اسرار نے جیسے بہت کچھ سوچتے ہوئے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"اس نے مجھے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ اگر وہ ذرا سا بھی اشارہ دیتی اپنے حالات سے متعلق تو۔"

"وہ مر کے بھی تمہیں آگاہ نہ کرتی ہارون اسرار! لیکن اب تو جو بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔ دیکھتی ہوں تمہاری محبت میں کتنا دم خم ہے۔؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ایک دم سے اپنی جگہ سے اٹھی تو اس کے چیلنجنگ انداز پر ہارون بے اختیار مسکرا دیا۔

"اگر ایسی بات ہے تو جاؤ۔ اور کل تک کے لیے میرا انتظار کرو۔ مجھے ایک وقت میں بہت سے محاذوں پر لڑنا پڑے گا۔ پھر بھی تمہیں یقین سے کہتا ہوں کہ دیر ہو سکتی ہے اندھیر نہیں۔ اس سے کہنا کچھ انتظار کرنا پڑے تو مایوس مت ہو۔"

اس کے انداز میں کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی۔ تہمینہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

* * *

وہ رو رو کر ہلکان ہو چکی تھی۔

تہمینہ چپ چاپ بیٹھی بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"رو لو۔ جی بھر کے رو لو۔ کہ آج تم پھانسی کے تختے پہ کھڑی ہو، اور فیصلہ کسی اور کو کرنا ہے۔ یا تو بچا لے گا تمہیں۔ یا تختہ کھینچ لے گا۔" کرسی جھلاتے ہوئے وہ ایکدم ہی اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

"تم نے برا کیا ہے تہمینہ! تم نے میرے ساتھ بہت برا کیا؟" وہ روتے روتے چلا اٹھی۔

"کیا برا کیا میں نے پگلی۔!"

"مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا، کیا کیا کہانیاں سنائی ہوں گی تم نے اسے۔ میری مجبوری کی۔ بے بسی کی، لاچاری کی۔"

"میں نے اسے صرف حقیقت بتائی تھی، یہ مصیبتیں، یہ آفتیں ہماری اپنی نازل کردہ نہیں ہوتیں۔ حالات اور مسائل کا شکار کوئی بھی ہو سکتا۔ اور پاتال میں گرنے سے بہتر ہے تم اپنی نظروں سے گر جاؤ۔" اس کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

"وہ مجھے اپنا بھی لے گا تہمینہ! تو بتاؤ میری کیا حیثیت ہو گی اس کے نزدیک۔ کیا مقام، کیا مرتبہ دے پائے گا وہ مجھے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی تھی۔

"نری پاگل ہو تم۔؟" وہ اس کے پاس آ بیٹھی۔

Aneela PakistaniPoint

"یہاں تمہاری کیا حیثیت ہے؟ کیا مقام ہے؟ ڈری سہمی رہتی ہو۔ کسی نے کھانے کے لیے دیا تو کھالیا۔ جہاں لٹا دیا پڑ گئی۔ سنو! جو شخص معاشرے کے رسم و رواج سے اپنوں سے لڑ کے تمہیں اپنانے کی جرات کر سکتا ہے۔ اس کا ظرف یقیناً" اتنا بڑا ہو گا کہ تمہارے لیے درست مقام اور حیثیت کا تعین کر سکے۔

"باجی تہمینہ 'مادرا۔۔۔!" نائلہ کی پاٹ دار آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ "باہر لمبی سی گاڑی میں ایک لڑکا آیا ہے۔ اپنا نام ہارون اسرار بولے ہے۔ اب بولو' آگے بھیجوں کہ یہیں سے لوٹا دوں۔"

"تمہارے منہ میں خاک 'خبردار جو لوٹانے کی بات کی۔" تہمینہ اٹھ کر باہر بھاگی۔

مادرا سرخ آنکھوں' نم پلکوں سمیت کمرے کی دہلیز پہ آ کھڑی ہوئی۔

"ہارون سچ مچ آ گیا۔۔۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

"یہ وہی ہارون اسرار ہے' جس نے ایک گائیکہ کی بیٹی اور دوسری گائیکہ کی بہن ہونے پر مجھے دس باتیں سنا ڈالی تھیں۔ اور آج' آج وہ اسی گائیکہ کے در پہ آ کھڑا ہوا ہے۔ صرف میرے لیے۔۔۔" وہ لڑکھڑا کر دروازے سے جا لگی۔

"معاف کرنا تہمینہ! سہرا باندھ کر نہیں آ سکا۔ اب بتاؤ جلدی سے نکاح کے دو بول پڑھوالوں' یا باجوں نقاروں کے اہتمام کے ساتھ اسے لے جانے کے لیے آؤں؟"

"فی الحال تمہارا یہاں آنا ہی کافی ہے ہارون! اب تم یہیں سے لوٹ جاؤ۔ یہ جگہ یہ مقام تمہارے شایانِ شان نہیں۔ ہم تمہیں سہرا باندھ کر وہیں بلائیں گے۔ جہاں تم سر اٹھا کر آ سکو۔۔۔" تہمینہ جھلملاتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہاری محبت کو سلام ہے ہارون اسرار! تم نے مادرا کو تہمینہ بننے سے بچا لیا۔"

* * *

"مادرا! مادرا۔۔۔!" یہ آواز سلیم کی تھی۔

سامان سمیٹتے ہوئے اس کے ہاتھ رک سے گئے۔۔۔ کھلے دروازے پر زور دار دستک دے کر وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" اسے اپنے کپڑے بیگ میں رکھتے دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا۔

"اپنے گھر جانے کی تیاری کر رہی ہوں۔" اس کا انداز ہی بدلا ہوا تھا۔

"ہاں۔۔۔ تم پہلے بھی وہاں آئی تھیں۔ مجھے آج ہی پتا چلا۔۔۔ لیکن وہاں میرا مطلب ہے ابھی تو۔۔۔؟" سلیم اچھا خاصا پریشان ہو رہا تھا۔

"وہ میرا نہیں' تمہارا مسئلہ ہے سلیم! میں اس مکان کی مالک ہوں۔ اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ میرے علم میں لائے بغیر میری جائیداد کو کسی بھی طرح استعمال کرے۔"

وہ بہت عام سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ سلیم کتنے ہی پل لب بھینچے کھڑا رہا۔

"اور یہ ہارون اسرار کا کیا معاملہ ہے؟ تم اس پہ اندھا دھند اعتماد کر رہی ہو۔ جب کہ تم اسے جانتی بھی نہیں۔ کچھ خبر ہے وہ کتنا بڑا کرپٹ انسان ہے۔ ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرے گا وہ تمہیں اور دوبارہ اسی ڈسٹ بن میں لا پھینکے گا۔"

وہ سب کام چھوڑ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ تاسف سے اسے دیکھتی رہی پھر جیسے تھک ہار کر چارپائی پر جا بیٹھی۔

"تم کیسے ہوا کرتے تھے سلیم۔۔۔؟ سادہ۔۔۔ بے لوث۔۔۔ بے ریا۔۔۔ ذمہ دار۔۔۔ یا پھر شاید میں ہی تمہیں ایسا سمجھا کرتی تھی۔ تمہاری پہلی پہلی تصویر کے سارے رنگ کتنے شفاف تھے جو رفتہ رفتہ اتنے دھندلائے ہیں کہ تمہاری شکل کہیں گم ہی ہو گئی۔۔۔" وہ چادر سے نادیدہ گرد جھاڑ رہی تھی۔

"اور ہارون اسرار کا کیا کہتے ہو سلیم! میں اسے نہیں جانتی مگر تم سے تو واقف تھی نا۔۔۔؟ تم نے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔۔۔؟ پہلی بار تو تم نے ہی مجھے اس ڈسٹ بن میں

لا پھینکا تھا۔" وہ چبھتے لہجے میں کہتے ہوئے کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ نیچے بازار میں بلا کا رش تھا اور شور یہاں تک پہنچ رہا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔" سلیم کی آنکھیں اس کا ساتھ نہ دے رہی تھیں۔

"سو تم نے مجھے اس ماحول میں لا چھوڑا۔ اسی ماحول میں، جس سے نفرت کی بنا پر تم نے کبھی اپنے خونی رشتوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اپنی ماں کو ممتا کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ وہ کھڑکی بند کر کے اس کی طرف پلٹی۔

"تم اتنے خود غرض ہو سلیم کہ اپنے مفاد کے لیے کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتے ہو۔ ہر رشتہ توڑ سکتے ہو۔ ہر احساس بھلا سکتے ہو۔ مجھے یہاں دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے تھے سلیم اور تم وہاں میرے ہی گھر میں، میری اجازت کے بغیر لڑکوں کی ایک فوج بٹھائے ان سے کرایہ وصول کرتے رہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ میرے جانے والے تم پر کتنا اعتماد کرتے تھے۔"

"میں تمہیں بتا دیتا ماورا۔۔۔! ابھی تو کچھ ہی دن۔۔۔" وہ اپنا دفاع کرنے میں ناکام رہا۔

"چپ رہو سلیم! میں جانتی ہوں تمہارے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ تم جاؤ یہاں سے۔ میں شام تک گھر واپس آنا چاہتی ہوں اور میرا گھر مجھے خالی ملنا چاہیے۔"

وہ دوبارہ سے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ سلیم کچھ دیر وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر ہارے ہوئے قدموں سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی وہ بے دم سی ہو کر چارپائی پر گر گئی۔

"ایک تم ہی تو تھے سلیم! جو میرے ماضی کی خوبصورت یادوں کے امین تھے۔ تم نے کاکا جان کو سنا تھا۔ تم نے ابا کو دیکھا تھا۔ تمہیں ان دونوں کی شفقت ملی تھی۔ ابھی تو تمہارے ساتھ مجھے ان کی بہت سی باتیں کرنا تھیں۔ ان کی یادوں کو مل بانٹ کر یاد کرنا تھا۔ لیکن تم نے۔ سلیم! تم نے میری ہر خواہش کو پورا ہونے سے پہلے ہی روند ڈالا تم بہت برے ہو سلیم!

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

★ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
★ نئے بال اُگاتا ہے
★ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
★ مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید
★ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

"سوہنی ہیئر آئل" 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے ایک شیشی کی قیمت صرف /60 روپے ہے دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوائیں رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

قیمت /60 روپے

ایک شیشی کے لیے ___ /80 روپے
2 شیشیوں کے لیے ___ /140 روپے
3 شیشیوں کے لیے ___ /210 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں

منی آرڈر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور ایم اے جناح روڈ کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کریں

● بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور ایم اے جناح روڈ، کراچی

● مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی فون نمبر 7735021

بہت برے۔" اس کی آنکھوں کے گوشے بری طرح بھیگنے لگے۔

* * *

وہ اس کے سامنے محوِ خواب تھا۔ ٹیوب لائٹ کی تیز روشنی میں اس کی اجلی رنگت کالو دیتا سنہرا پن، کشادہ پیشانی پر بکھرے سیاہ بال، بھرے بھرے گداز عنابی ہونٹ اور ہونٹوں کے برابر دائیں گال پر ٹھہرا سیاہ تل۔

وہ حیران حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ دیوتاؤں کا سا حسن مجھے اس شخص میں پہلے کبھی نظر کیوں نہ آیا تھا۔"

بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس نے نرمی سے اس تل کو چھوا جو اس کے مسکرانے سے پہلے مسکرا دیا کرتا تھا۔

"کس نیکی کا بدلہ ہو تم ہارون اسرار! اس کی دعاؤں کے عوض ملے ہو تم کہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہوں بھی تو ادا نہیں کر سکتی۔"

وہ اٹھ کر دبے قدموں باہر آ گئی۔ رات بھر کی آندھی اور بارش نے ڈھنگ سے سونے ہی نہ دیا تھا۔ سو وہ اسے ڈسٹرب کیے بغیر نکل آئی۔ باہر کی ہوا میں بارش کی ٹھنڈک کا اثر تھا، بہت خوشگوار مساموں میں اتر کر وجود کو تر و تازہ کر دینے والی ٹھنڈک۔

زینب جاگ اٹھی تھی اور اب شراپ شراپ برآمدہ دھو رہی تھی۔ وہ برآمدے سے نکل کر لان میں آ گئی۔ جس میں اب پہلے کی سی بے ترتیبی نہ رہی تھی۔ تراشیدہ گھاس بارش کے پانی سے بھیگی ہوئی تھی۔ درختوں سے قطرہ قطرہ پانی ابھی بھی ٹپک رہا تھا، بیری کے درخت پر طوطوں کی ٹائیں ٹائیں نے شور مچا رکھا تھا۔ وہ یونہی چلتی ہوئی حوض کنارے آ گئی۔ صاف ستھرے پانی میں تیرتی سینکڑوں کلیوں نے پانی کو معطر کر رکھا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی اوک بنا کر اس میں کلیوں سمیت پانی بھرا ہی تھا جب ایک دم کسی نے آ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔ اس نے بغیر دیکھے پلٹ کر وہ پانی اس کی طرف اچھالا تو ہارون اسرار کا جاندار قہقہہ فضا کی خوشگواریت میں مزید اضافہ کر گیا۔

"یہ تو تمہارے بالوں میں ہی اچھی لگے گی۔" اس نے گریبان میں اٹکی ایک کلی اس کے بالوں میں سجانی چاہی۔

"یہ کلی تو ہماری رقیب ٹھہری صاحب! ہم اسے کیونکر سجائیں گے بالوں میں۔"

اس نے وہ کلی دوبارہ سے حوض کی طرف اچھالی تو وہ قدرے حیران ہوتے ہوئے ہنس دیا تھا۔

"بہت باتیں بنانے لگی ہو تم؟"

"آپ کی صحبت کا اعجاز ہے۔"

"اچھا... اور کیا سیکھا ہے ہماری صحبت میں۔"

اس نے درخت کی شاخ کو جھٹکا دے کر پانی کے بہت سے قطرے اس پر گرائے۔

"میں نے جانا ہے کہ
محبت موسم نہیں
اپنی مدت پوری کرے
اور رخصت ہو جائے
محبت ساون نہیں، ٹوٹ کر برسے
محبت آگ نہیں، سلگے بھڑکے
اور بجھ جائے۔
محبت آفتاب نہیں، ابھرے چمکے اور ڈھل جائے
محبت تو چاند کی مانند ہے
جو بڑھتا ہے، گھٹتا ہے
نکلتا ہے، چھپتا ہے
مگر کبھی فنا نہیں ہوتا

وہ سر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر ایک پل کو جانے کیا ہوا کہ اس نے فوراً" اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"پگلی!" اس کی پلکوں پہ نمی سی محسوس کرتے ہوئے ہارون نے اسے بھرپور محبت سے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"میں نے تم سے تمہارے لیے نہیں اپنے لیے محبت کی تھی ماورا! بلکہ محبت کی نہیں ہو گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ تم میری ذات کا حصہ تھیں اور مجھے

Aneela PakistaniPoint

مل کر بالآخر تمہیں مجھے مکمل کرنا ہی تھا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح اس کی جذباتیت کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔

"چلو۔ ناشتہ لگ گیا ہوگا۔"

"آپ چلیں، فریش ہو جائیں۔ میں تب تک آرہی ہوں۔"

"اوکے۔" وہ سر ہلاتا کمرے کی طرف بڑھا۔

"مجھے معلوم ہے ہارون اسرار! تم اپنی محبت کو کبھی مجھ پر بوجھ نہیں بننے دو گے۔ باوجود اس کے کہ میری محبت تم پر بہت سا بوجھ لاد چکی ہے۔" وہ وہیں بیٹھ کر حوض کے پانی میں انگلیاں چلانے لگی تھی۔

"والدین کی ناراضی سہنا آسان کام نہیں، مگر دل کی حالت جو بھی ہو میرے لیے مسکراہٹ تمہارے لبوں سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ یہ فاصلے بھی ایک دن تمام ہو جائیں گے ہارون! تمہارے سچے اور کھرے جذبات پر مجھ سے بڑھ کر یقین اور کسے ہوگا؟"

"صاحب بلا رہے ہیں۔" زینب نے قریب آکر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دروازے پر آہٹ ہوئی تھی۔ وہ چونک کر پلٹی۔ لڑکا دودھ لے کر آرہا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر سیدھی ہو گئی۔

"ابا کے آنے کی تو کوئی امید نہیں کاکا! مگر ہر آہٹ پر آپ کے آنے کا گمان ہوتا ہے، کبھی آئیے تو آپ کو دکھاؤں کہ۔

درخت اپنا لباس تبدیل کر رہے ہیں
کہیں کسی شاخ سبز کی اوڑھنی پہ
ہلکی سنہری گوٹ لگ رہی ہے
کہیں کسی زرد رنگ پتی کا حاشیہ سرخ ہو رہا ہے
کہیں قبائے شجر گلابی سی ہو گئی ہے
کہیں ہرے پیڑ زرد نارنج چادریں اوڑھنے لگے ہیں
کہیں فقط قرمزی روشنی درختوں پہ اپنا ہالہ کیے ہوئے ہے

"کبھی آئیے کاکا! اور دیکھیے۔ ہمارا چمن کیسے جھلملا رہا ہے۔" تیز ہوا میں اڑتی زلفوں کو سنبھالتے۔ بادلوں بھرے آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتے ہوئے وہ کمرے میں آئی تو زینب ناشتے کے برتن لگاتے ہوئے بڑی شد و مد سے ہارون کو بتا رہی تھی۔

"نزدیک ہی ایک مزار پر ایک بزرگ آیا بیٹھا ہے۔ سنا ہے۔ اس کی دعا میں بڑا اثر ہے۔ لمبی سی ڈاڑھی ہے۔ بڑی بڑی جٹائیں۔ پورا چہرہ نظر نہیں آتا۔ اس کے پاس جاؤ، پکارو، بلاؤ تو نگاہ نہیں کرتا۔ سر جھکائے ورد میں مصروف رہتا ہے۔ پر جو لوگ آس پاس کے رہنے والے ہیں۔ بتاتے ہیں کہ سائیں بڑا ہی رحمدل ہے۔ جس روز کسی چڑیا کا گھونسلہ بکھرے یا بوٹ گھونسلے سے گر جائے تو اس کے رونے کرلانے کی آوازیں رات بھر آتی رہتی ہیں۔

اردو اور انگریزی ادب سے شاہکار انتخاب

عمران ڈائجسٹ

کا تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے۔

تین تہلکہ خیز سلسلے

☆ معروف فلمکار، ادیب، دانشور عبید اللہ بیگ کے قلم سے شکاریات کے پس منظر میں شاہکار سلسلہ "گلریا کا آدم خور"

☆ ایک نوجوان کی حیرت انگیز داستان، جو ننھی سی عمر میں ہی دشمنوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ نیا پُرتجسس سلسلہ "آتش زادہ"

☆ حالات کی گود میں پل کر جوان ہونے والے ایک آتش صفت کی حیرت انگیز سرگزشت ایم اے راحت کے قلم سے "عقاب"

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"

☆ "گلدستہ" قارئین کی تحریروں سے سجا سلسلہ

اس کے علاوہ بہت سی دلچسپیاں

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں